شخصيّة المسيح

في

الإنجيل والقرآن

عبد الفادي

المسیح پر ایمان لا تو تُو اور
تیرا گھرانا نجات
پائے گا

اعمال ١٦ : ٣١

شخصية المسيح

في

الإنجيل والقرآن

عبد الفادي

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

Order Number: **RPB4301URD**

German title: **Die Person Christi im Evangelium und Koran**
English title: **The Person of Christ in the Gospel and the Koran**

Internet address: **http://www.the-good-way.com**
E-mail address: **inf@the-good-way.com**

The Good Way, Post Box 66, CH-8486-Rikon, Switzerland.

اوّل

حضرتِ مسیح کی اسلام میں حیثیّت

قرآن شریف میں حضرت مسیح کا اسمِ گرامی اور آپ کی صفات و تعلیمات کا کوئی نہ کوئی پہلو قریباً ترانوے ۹۳ آیات میں مذکور ہُوا ہے۔ یہ تعداد کم نہیں ہے اسی سے آپ کی اہمیت واضح ہے۔ چنانچہ اسلام میں جب کبھی بھی حضرت مسیح کے بارے میں کچھ غور و فکر کرنا ہوتا ہے تو انھیں ترانوے ۹۳ آیتوں کو بنیاد بنایا جاتا ہے، بارہا یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسلم مفکّروں اور مفسّروں نے مسیحی متون یعنی بائبل شریف کی آیتوں کو ان قرآنی آیات کی تفسیر کے لیے ماخذ اور بنیاد بنایا ہے۔

اس طرح کی کوششوں کا جن حضرات نے مطالعہ کیا ہے ان پر یہ امر خوب روشن ہے کہ انھوں نے وہی عبارتیں اور متون تسلیم کیے ہیں جو مسلم خیالات سے میل کھاتے ہیں اور ایسی ساری کوششوں کو ٹھکرا دیتے ہیں جن سے کسی طرح کا قرآن اور انجیل کے درمیان تطابق دکھایا جا سکتا ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ سوا اس کے

اور کوئی نہیں ہے کہ دونوں کتابوں (مُقدّس قرآن و انجیل) میں وارد بیانات میں اور عام عقائد میں تبائن اور فرق ملتا ہے۔ اب چونکہ ایسے لوگوں کی دلچسپی صرف اس معاملہ میں رہتی ہے کہ صرف قُرآن شریف کے بیان کی ہی صحت پر بھروسہ کیا جائے اور باقی دیگر مآخذ کو رد کر دیا جائے۔ لہٰذا انجیل کی تحریف کا شوشہ ہر اس موقع پر تیّار رہتا ہے جب کتب مُقدّسہ (بائبل) کے متون قرآن کے متون یا آیات سے ٹکراتے ہیں۔

اس مضمون میں یہ کوشش کی ہے کہ جب بھی قرآنی خیالات مسیحی خیالات سے ٹکرائیں تو ان کے تدریجی ارتقار کی روشنی میں انھیں دیکھ سکوں۔ اس ابتدائی مرحلہ پر اتنا بتاتا چلوں کہ جو بھی قرآن کے متون و آیات کے فہم کی کوشش کرے گا۔ اُسے یہ بات ضرور نظر آئے گی کہ مکّہ شریف میں نازل ہونے والی آیتوں میں مسیح سے ہمدردی اور مسیحیّت کا پاس و لحاظ ملتا ہے۔ مسیح کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان میں نرمی ہے۔ اسی طرح حواریوں اور ربّیّین و رہبان کے بارے میں اچھے اچھّے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

لیکن حضرت محمّد کے مدینہ کے آخری ایّام میں قُرآنی آیات کافی سخت ہوتی گئی ہیں اور مسیحیوں کے خلاف مخالفت اُبھرتی چلی گئی ہے۔ حتیٰ کہ مسیح کی الوہیّت کا تو قطعی رد اور کھُلم کھُلّا انکار نظر آتا

ہے۔ سبب یہاں بھی محض عقیدہ ہی ہے۔

کیونکہ آنحضرتؐ نے یہ دیکھا کہ ثالوث کا عقیدہ اور توحید کا عقیدہ باہم ٹکراتا ہے۔ نیز یہ کہ توحید کی منادی اور وحدانیت کی دعوت دینا ہی اسلام کا مشن تھا۔ قرآن نے کھُل کر اس امر پر کہا ہے، عقیدہ ثالوث پر نکتہ چینی کی ہے، حتیٰ کہ کئی آیتوں میں نصاریٰ یعنی عرب کے مسیحیوں پر شرک کا الزام بھی لگایا ہے۔

شاید آں حضرت محمّد کو اس ثالوث والے عقیدہ نے پریشان کر دیا تھا جو بدعتی نصاریٰ سے ماخوذ تھا اور بدعتی سرزمین عرب میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے یہ ثالوث یا تثلیث مرکب تھی اللہ سے، اور اس کی صاحبہ مریم سے اور ان کے بیٹے عیسیٰ سے۔ یاد رہے کہ سچّے مسیحیّوں نے ایسے عقیدہ کا اظہار نہیں کیا ہے اور نہ مانا ہے۔ اب مسلمانوں نے یہ زیادتی کی کہ اسی طرح کے بھونڈے عقیدے کو لے کر ایک بڑا سا تنازع کھڑا کر دیا ہے اور اسے ایسا پکڑے ہوئے ہیں کہ چھوڑنے کا نام نہیں لیتے، حالانکہ مسیحیوں نے موقع بہ موقع اس کی توضیح کی کوشش کی ہے اور برابر سمجھاتے چلے آرہے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ ایک اور بھی مسئلہ ہے جس کی جڑ بڑی گہری ہے اور جس کی بُنیاد قرآن شریف کی سورہ صف والی آیت (۶) "ومبشرًا برسُول یأتی من بعدی اسمہ احمد..... " ہے، یعنی میں خوشخبری دے رہا ہوں ایک (خدا کی طرف سے) بھیجے ہوئے شخص کی جس کا نام بہت سزاوار

تعریف ہے (یعنی عربی میں احمد ہے)، جو میرے (مسیح فرماتے ہیں) بعد آنے والا ہے،

ایک حدیث میں جسے مفسر طبری نے بسلسلہ معاویہ ابنِ صالح، سعید ابنِ سوید، اعلیٰ ابنِ ہلال سلمی عرباض ابنِ ساریہؓ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو کہتے سنا ہے کہ خدا کے نزدیک تو میں انبیاء کا خاتم (انگشتری یعنی مہر) مکتوب و مقرر ہوں اس وقت سے کہ آدم سنی ہوئی مٹی کی شکل میں تھے۔ اور میں تم کو پہلے یہ بھی بتا دوں کہ میں اپنے باپ (جدِّ اعلیٰ) ابراہیمؑ کی دعا (کا نتیجہ) ہوں، اور میں عیسیٰؑ کی بشارت ہوں، اور اپنی والدہ کی رویاء ہوں اور جیسی کہ انبیاء کی ماؤں نے رویاء دیکھی ویسی ہی رویاء میری ماں نے اس وقت دیکھی جب انھوں نے مجھے جنم دیا اور وہ (رویاء) یہ تھی کہ ایک نور ان میں سے ایسا نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

مسلم حضرات اِس حدیث کے بیان کو لفظی طور پر لیتے ہیں اور جب یہ دیکھتے ہیں کہ انجیل تو ایسی کسی بشارت سے خالی ہے۔ اور خاموش ہے جس میں حضرت محمدؐ کی نبوّت کی طرف کسی طرح کا اشارہ ہو، یا کوئی ایسا قول مسیح جس نے یہ بشارت دی ہو، تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ انجیل محرّف ہے۔

پھر ایک تیسری شکل یہ ہے جسے مسیحیوں نے مانا ہے یعنی مسیح کا دکھ و آلام اُٹھا کر صلیب پر چڑھایا جانا، جو کہ مسیحی بنیادی عقیدہ ہے اور انجیل شریف کی تعلیم

پر مبنی ہے۔

اسی واقعہ صلیب کی قرآن نے یہ کہہ کر نفی کر دی ہے جب کہ یہودیوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"وَقولھم انا قتلنا المسیح ...... وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِن شُبِّہَ لھم"

(قرآن۔ سورہ النساء آیت ۱۵۶)

چوتھی دِقّت مسیحیوں کا عقیدہ "اِبنُ اللہ" ہے۔ جسے قرآن نے رد کیا ہے۔ اس موضوع پر ہم آگے کو غور کریں گے اور فقہاء و علماء کی آراء اور تعلیقات بھی تب ہی پیش کر دیں گے۔

دوم

مسیح کے صفات ممیّزہ

مذکورہ بالا مسیحی بنیادی و اساسی عقائد کی مخالفت کے باوجود قرآن نے مسیح کے اعلیٰ صفات اور ان کی بلند عظمتوں کا اعتراف بھی کیا ہے جو انھیں بشریت کی سطح سے اونچا اٹھا دیتے ہیں۔ یہ ممتاز و ممیّزہ اوصاف آپ کی سیرت رسالت اور شخصیّت کے چشموں سے اُبلتے ہیں۔ اور جب ہم ان اوصاف کا اور ان صفات کا قرآن شریف میں ذکر کردہ اور جلیل القدر انبیاء کے اوصاف وصفات سے موازنہ کرتے ہیں تو یہ دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں کہ یہ تو ایسے ہیں کہ کسی نبی کو بھی نہیں دیے گئے حتیٰ کہ حضرت محمدؐ کو بھی نہیں!

تو آیئے ہم مسیح کے صرف صفات تسعہ، یعنی نو۔ اوصاف پر تھوڑا سا وقت لگائیں۔

۱۔ ایک عجیب وغریب اور لا مثال حمل

قرآن شریف کی سورۂ تحریم (آیت ۱۲) اور سورۂ انبیاء (آیت ۹۱) کو پڑھیئے۔

"ومریم ابنۃ عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا"

امام رازی اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ "نفخنا فیہ" کا مطلب ہے کہ ہم (اللہ) نے عیسیٰ میں

اپنی روح میں سے پھونکا کیونکہ عیسیٰ مریم کے شکم میں تھے۔ کس نے پھونک ماری اس معاملہ میں مفسّروں کے درمیان اختلاف ہے کسی نے "من روحنا" کی بنیاد پر یہ کہا کہ پھونکنے والا اللہ ہے۔

دوسرے گروہ نے یہ مانا کہ نافخ (یعنی پھونکنے والا) جبریل تھے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت جبرائیل (فرشتہ) کے قول "لاھب لك غلاما زکیا" سے یہی ظاہر ہے پھر مفسّروں میں نفخ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔ اور چار قسم کی آرار ہیں۔

۱۔ "وھب" کا کہنا یہ ہے کہ جبرئیل نے جب پھونک ماری مریم کے گریبان (جیب) میں تو وہ رحم تک جا پہنچا۔

۲۔ دامن میں پھونکا تو رحم (بچہ دانی) میں جا پہنچا۔

۳۔ سدی نے یہ مانا ہے کہ آستین کو پکڑ کر درع کے پہلو میں پھونکا۔ تو یہ پھونک سینہ تک جا پہنچی تو وہ حاملہ ہوگئیں۔

ان کی بہن یعنی زکریا کی بیوی ان کے پاس آئیں اور انھیں یہ معلوم ہوگیا کہ حاملہ ہے تو پوچھا، تب مریم نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر زکریا کی بیوی بول اٹھیں:

"جو میرے پیٹ میں (حضرت یحییٰ) اُسے میں اس کو
جو تیری پیٹ میں ہے (عیسیٰ) سجدہ کرتے ہوئے
محسوس کرتی ہوں"

سدی کہتے ہیں کہ یہی مصدقا بکلمۃ من اللہ کا مطلب ہے۔

۴۔ نفخہ مریم کے مُنہ میں پھونکا گیا تھا جو شکم و رحم تک جا پہنچا تو وہ حاملہ ہوگئیں۔

ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جبرئیل نے اپنی انگلیوں سے کپڑا ہٹایا اور اس میں پھونک دیا۔ درع (قمیص زیر جامہ) کے نیچے جو بھی کپڑے ہوتے ہیں ان سب پر لفظ "فرج" کا اطلاق ہوتا ہے۔

"احصنت" کا مطلب ہے کہ مریم نے اپنی عفت و آبرو کی خوب حفاظت کی تھی اسلئے محصنہ کا مطلب عفیفہ، یعنی پاک دامن۔ "ونفخنا من روحنا" میں۔ فیہ سے مُراد فی فرج ثوبہا ہے۔ یعنی چاک گریبان میں ہم نے پھونک ماری۔ پھر اُنھوں نے یہ بھی ایک رائے ظاہر کی ہے کہ مُراد یہ ہے "کہ اس میں ہم نے وہ چیز پیدا کردی جس کے ذریعے سے بدن میں زندگی ظاہر ہوجاتی ہے۔"

مقاتل نے "وصدقت بکلمات ربّہا" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یعنی عیسیٰ پر حسن کی قرأت بھی تائید کرتی ہے جس میں کلمات ربّہا کے کے بجائے کلمۃ ربہا ہے اور عیسیٰ کے لیے کلمۃ اللہ تو قرآن میں کئی جگہ آیا ہے۔"

۲۔ المسیح کی عجیب و غریب ولادت

مسیح کے عجیب و غریب حمل کے بارے میں ہم نے قرآن اور اس کے مفسروں کی زبانی بہت کچھ سن لیا ہے۔ اب آپ کی ولادت باسعادت کی طرف متوجہ ہوں۔

قرآن شریف نے خُدا کے فرشتے اور حضرت مریم کے مابین جو کچھ گفتگو ہوئی تھی اس کا ذکرِ خیر بھی چھیڑا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ مسیح کی ولادت کی خوشخبری دینے کے لیے مریم کے پاس آ نمودار ہوئے تھے۔ فرشتہ نے کہا تھا:

"میں تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا تیرے پاس آیا ہوں تاکہ تجھے ایک بے عیب بچہ عطا کروں (ہبہ کروں)۔"

جواب میں مریم نے کہا:

"بھلا میں بچہ کیسے پا سکتی ہوں جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا بھی نہیں ہے اور نہ میں بدچلن ہی رہی ہوں!"

فرشتہ اس پر یہ بول پڑا کہ:

"ہونا تو وہی ہے جو میں تجھ سے کہہ رہا ہوں! کیونکہ تیرے رب اور خداوند نے فرمادیا ہے کہ یہ تو میرے لئے بہت آسان سی بات ہے اور میں (خدا) اس بچہ کو لوگوں کے لیے اپنی طرف سے آیۃ (نشانی) اور رحمت بنانے جارہا ہوں، یہ تو ایک فیصلہ کُن اور طے شدہ بات ہے!"

(دیکھئے قرآن سورہ مریم آیات ۱۹ سے ۲۱ تک)

مسیح کی ولادت پر مفسر بیضاوی نے یہ تعلیق کی ہے کہ:

"اس امتیاز نے مسیح کو دوسرے بنی نوع انسان سے اور سارے نبیوں سے ممتاز کردیا ہے کیونکہ وہ بغیر کسی انسانی رشتے اور میل جول کے پیدا ہوئے تھے۔"

امام رازی نے "کاھب لك غلا ما زکیا" پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ لفظ "زکی" تین باتوں کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی تین معنی ہیں 'زکی کے':

۱۔ تو یہ کہ 'الطاھر من الذنوب' یعنی گناہوں سے پاک۔

۲۔ یہ کہ اِنَّہٗ ینمو علی التزکیہ لانہ یقال فیمن لا ذنب لہ زکیّ۔ وَفی الزرع النامی زکیّ۔ یعنی تزکیہ میں وہ بڑھتے گئے کیونکہ اس شخص کے حق میں جو بے گناہ ہو، زکی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور اچھی اور اعلیٰ قسم کی کھیتی کی پیداوار جو ہر طرح کے کیڑے مکوڑوں سے پاک ہو اور خوب لہلہا رہی ہو اسے بھی محاورہ عرب میں "زکی" بولا جاتا ہے۔

۳۔ مطلب "زکی" کا النزاھة والطھارة ہے یعنی بے عیب و خالص و پاک اور ملامت سے بالا۔

پھر رازی نے "ولنجعلہ اٰیة لِلنَّاس ورحمة منا کے تحت لکھا ہے کہ:

"یعنی تاکہ ہم اس مسیح کی ولادت اور جنم کو انسان کے لیے ایک نشان بنادیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ بغیر مرد کے جنم لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ساری نوع انسان ان سے برکت حاصل کریں نیز کہ مسیح کے صدق کے دلائل اور زیادہ واضح ہو جائیں اور آپ کے اقوال اور آپ کی باتیں زیادہ لائقِ قبول بن جائیں۔

غلاما زکیا کی تفسیر میں آیئے۔ مفسرِ اعظم امام طبری کی رائے بھی لگے ہاتھوں جانتے چلیں۔

لکھتے ہیں کہ "الغلام الزکی ھو الطاھر من الذنوب" محاورہ میں لفظ 'زکی' اس لڑکے کے لیے بولا جاتا ہے جو گناہ سے بری معصوم اور پاک و صاف ہو۔ یہ بھی عرب استعمال کرتے ہیں۔ غلام زاک و زکیّ و عال و علیّ۔ یعنی خالص و پاک، بے مثال و بلند پایہ لڑکا۔

مسیح کا تیسرا وصف ہے آپ کا مُبارک ہونا

قرآن، سورۂ مریم آیت ۳۰ میں "وجعلنی مُبارکا" آیا ہے۔ طبری نے مسیح کی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کی شرح میں یونس بن عبدالاعلیٰ۔ اور سفیان کی روایت کی بنیاد پر مبارک کا مطلب معلما للخیر یعنی بھلائی کی باتوں تعلیم دینے والا، بتایا ہے یعنی مطلب یہ ہوا کہ:

"اللہ نے مجھے (مسیح کو) بھلائی اور خیر کا معلّم بنا کر بھیجا ہے"

سلیمان ابن عبدالجبّار، محمد ابن خنیس مخزومی کے سلسلہ والی روایت کی نقل کی گئی ہے کہ ابن الورد جو کہ بنو مخزوم کے مولیٰ تھے انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک عالم کی کسی ایک اور زیادہ عالم سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو انھوں نے پوچھا:

"میرے علم سے زیادہ سے زیادہ کیا چیز ظاہر ہوتی ہے؟"

جواب دیا:

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی بھلائی کرنے کی زیادہ سے زیادہ تعلیم

اور بُرائی سے بچنا، کیونکہ اللہ کا دین انہی دو باتوں پر منحصر ہے اور یہی اس کا لب لباب ہے اور یہی پیغام دے کر اللہ نے اپنے نبیوں کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے اور مُفسّروں و فقہاء کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ جہاں بھی ہوں مُبارک ہوں گے، یعنی آپ کی ذات باعث برکت ہے کیونکہ مُعلّم خیر ہیں"۔

۴ تائیدِ رُوح القدس حاصِل ہونا

ملاحظہ ہو سُورۃ بقر کی آیت ۲۵۲ وایدناہ بروح القدس...

یعنی ہم (اللہ) نے اس کی (مسیح کی) دست گیری رُوح مقدس کے ذریعہ سے کی

(تائید لفظ اید بمعنی ہاتھ سے مشتق ہے، مطلب ہوتا ہے ہاتھ بٹانا اور دست گیری کرنا) رُوح القدس کیا شئی ہے اور اس کا کیا مطلب ہے، اس کی تفسیر میں ابن عباسؓ کہتے ہیں:

"ھو الاسم الذی کان یحیی بہ عیسیٰ الموتیٰ"۔ یعنی روح پاک و مقدّس وہ نام ہے جس کے طفیل عیسیٰ مُردے زندہ کردیا کرتے تھے۔ ابو مسلم ایک اور مفسّر نے کہا ہے کہ رُوح القدس کہ جس سے عیسیٰؑ کو تائید و مدد حاصل ہوا کرتی تھی، شاید وہ رُوح طاہر تھی جسے اللہ نے عیسیٰ میں پھونک دیا تھا اور اسکے ذریعہ سے اللہ نے عیسیٰؑ کو ممتاز بنا دیا تھا ان لوگوں سے جنھیں اس نے عام طریقے سے خلق کیا تھا

یعنی مرد و عورت کے نطفے کے اجتماع سے۔

سُورۃ نساء کی آیت ۱۷۱ یُوں ہے:

المسیح عیسیٰ ابن مریم رسُول اللہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم و رُوح منہ فآمنوا باللہ ورسولہ۔

یعنی:

"المسیح جوکہ عیسیٰ ابنِ مریم ہی ہیں اور اسکی طرف سے ہی بھیجے ہوئے ہیں، وہ اللہ کا وہ کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف ڈال دیا تھا"

اس آیت کا نچوڑ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو انھیں کی ذات و شخصیت میں ایک رُوح عطا کردی تھی جو ان کا ہاتھ بٹاتی اور مدد کرتی رہتی تھی ان کی شخصیت میں۔

اتنا صاف بیان ہے کہ قرآن کا بھی اور بھی علماء اسلام "اس رُوح القدس" کی تفسیر اور اُسکے معنی میں متفق نہیں ہیں جس سے مسیحؑ کو طاقت و قوت تھی؛ مثلاً ابن انس کا کہنا ہے کہ رُوح القُدس وہ رُوح تھی جو مسیح میں پھُونک دی تھی اور اللہ نے اپنی ذات کے ساتھ اس لیے اُسے متعلق کیا ہے کیونکہ مسیح کی تکریم تخصیص اور تعظیم مقصود تھی۔

قُدّوس ہونا تو صرف خدا کی ذات ہی کو سزاوار ہے اور اس دلیل پر اللہ کا قول، فنفخنا فیہ من رُوحنا، بخوبی چسپاں ہوتا ہے۔

یہ تو تھا ابنِ انس کا قول، لیکن سدی اور کعب کی رائے یہ ہے کہ رُوح القُدس جبرئیل ہیں اور جبرئیل کی مسیح کی تائید اس طرح پر تھی کہ وہ آپ کے ساتھی اور

رفیق تھے، وہی مدد کرتے اور جہاں جہاں وہ جاتے تھے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے اور یہ کیفیت اس وقت تک رہی تا آنکہ مسیح آسمان پر اٹھا لیے گئے۔

تیسری رائے ابنِ جبیر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"روح القدس اللہ کا اسم اعظم ہے جس سے مُردے زندہ کر دیا کرتے تھے"۔

القاشانی نے کہا:

"اللہ نے قدرتی اور فطری ناپاکیوں اور کدورتوں سے عیسیٰ کو پاک کیا"۔

چنانچہ آپ ایک روح متجسد (جس نے جسم اختیار کر لیا ہو) بن گئے اور آپ ایک روحانی اور مثالی بدن کی شکل میں متشکل ہو گئے۔ اور یہ مسیح کی طینت کے جوہر کی صفائی اور رُوح کی لطافت کے باعث تھا اور اس وجہ سے بھی کہ ان کی والدہ محترمہ طیب و طاہر تھیں۔

اللہ نے مسیح کی رُوح کو ماحول اور مادی تاثرات سے اور سماجی اثرات سے پاک وصاف بنائے رکھا تاکہ رُوح القدس کی تائید و معاونت ملتی رہے جس کی صورت پر آپ ڈھال دیے گئے تھے۔

ابنِ عطا نے اس رائے کا اظہار کیا ہے:

"عمدہ ترین پودا وہ ہے جسکے پھل ویسے ہی ہوں جیسے عیسیٰ رُوح اللہ ہیں"۔

پھر ابنِ عباس نے یہ کہا کہ:

"رُوح القدس دراصل وہی رُوح ہے جو عیسیٰ میں پھونکی گئی تھی اور القدس

سے مُراد خود اللہ پاک ہے"۔ اور اسی وجہ سے وہ رُوح اللہ کہلائے۔

۵ - وفات کے بعد اُن کا رفع

جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۵۵ میں آیا ہے اللہ نے فرمایا:

"اے عیسیٰ دیکھ! میں تجھے وفات دینے اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تجھے پاک بھی کرنے جا رہا ہوں"۔

اس آیت کی امام رازی نے کئی طرح سے تفسیر کی ہے رفع سے مُراد انھوں نے "الی محل کرامتی"، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں تجھے اے عیسیٰ اپنے مقام عزّت کی جگہ پر رکھوں گا"۔

یہ رفعت و عظمت ان کی شان کے لیے آپ (مسیح) کا قول کہ "میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں"، بالکل ایسا ہی ہے اور انجیل سے مستعار لیا گیا ہے۔

رفع کا دوسرا مطلب رازی نے یہ لکھا ہے کہ:

"مطلب یہ ہوا کہ اللہ انھیں ایک ایسی جگہ اُٹھا کر لے جانے والا تھا جہاں اُن پر نہ کسی کا زور چلے گا نہ حکم۔ کیونکہ زمین پر کے عدل حکم اور فتوے تو طرح طرح کے ملتے ہیں لیکن آسمان یا عالمِ بالا پر تو درحقیقت فقط اللہ کا ہی حکم چلتا ہے"۔

٦۔ رِسالت سیرت اور عصمت کا اِمتیاز

کچھ لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ رسالت و پیغمبری میں بے گناہی یا عصمت (معصوم عن الخطا ہونا) چال چلن اور سیرت کو مقترن ہے لیکن یہ خیال اسلئے بے اساس ہے کیونکہ قرآن شریف کی بکثرت آیات اس کی بیخکنی کرتی ہیں۔ بہت سی آیتیں یہ بتاتی ہیں کہ انبیاء کرام کی زندگیاں نہ قبل رسالت اور نہ بعد رسالت، بے عیب و بے ملامت تھیں۔

صرف مسیح کی ذات قرآن شریف میں ایسی ہے جو رسالت میں اور سیرتِ پاک کے لحاظ سے بھی پاک و بے عیب نظر آتی ہے اور مبرا عن الخطا ہے۔ اس بات کی گواہی خدا کے فرشتے نے بھی دی ہے آیت لاھب لکِ غلاما زکیا" میں، جس کی تفسیر کے تحت بیضاوی نے یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ عمر کے سن و سال میں اعلےٰ اور بلند ہوتے چلے گئے۔

٧۔ بے نظیر و منفرد قسم کی رسالت

جس طرح سے تائید روح القدس کے سبب مسیح کی رسالت منفرد و لاثانی تھی ویسے ہی آپ کے معجزات کی گوناگونی ایسی تھی کہ کسی اور نبی یا رسول میں نہیں ملتی قرآنی آیات خاص طور آیت شریفہ :

وآتینا عیسی ابن مریم البیّنات وایّدناہ بروح القدس۔

(سورہ البقرہ ٢٥٣)

اس پر بصراحت شاہد ہے اور بیّنات۔ معجزات ہی تو ہیں۔ بیضاوی نے اسی وجہ سے کہا کہ اللہ نے ان (مسیح) کے سپرد خاص خدمت کی اور ان کے معجزات کو اللہ نے دیگر رسل کے معجزات پر تفضیل کا سبب ٹھہرایا۔ کیونکہ وہ معجزات بڑے نمایاں اور بے حد عظیم قسم کے ہوتے تھے، تعداد کی کثرت بھی ایسی تھی کہ کسی اور نبی میں نہ تھی!

٨۔ علمِ غیب

قرآن شریف کی آیات ٥٦، ٦١

" ولمّا ضرب ابن مریم مثلاً ..... اور وانہ لعلم للساعۃ " اس امر پر دلالت کرتی ہیں یعنی :

" جب ابن مریم کو بطور مثل پیش کیا گیا ..... یا یہ کہ" وہ قیامت کا علم ہیں "؛

" وانّہ لعلم للسّاعۃ " کی تفسیر کرتے ہوئے مفسّر جلالین یہ لکھتے ہیں :

" ان کے ہی نزول سے قیامت کے برپا ہونے کا علم لوگوں کو حاصل ہوگا۔"

یا یہ کہ

عیسیٰ ساعت (قیامت کی گھڑی) کا علم ہیں اور ان کے نزول کے وقت

کو جانتے ہیں کہ کب آئے گی"۔

عموماً مسلم حضرات میں یہ خیال چھایا ہوا ملتا ہے کہ اللہ اپنی مخلوق سے الگ اور منفرد ہے اور اسی کو فقط قیامت کی گھڑی (ساعت) کا علم ہے۔ اب اس خیال کی روشنی میں عیسیٰ کے اس امتیاز خصوصی کا پتا چل جاتا ہے جو قرآن شریف آپ کو دیتا ہے۔

۹۔ ان کا شفیع یا وسیط اور درمیانی ہونا

اور

اللہ سے اُن کا تقرب

سورۂ الزمر کی آیت ۴۴

"وللہ الشفاعۃ جمیعا"

میں یہ واضح ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر شفاعت کے اختیار کو اللہ تعالیٰ ہی میں محصور کیا گیا ہے۔ پھر بھی۔

آیت "وجیھا فی الدنیا والآخرہ ومن المقربین" میں مسیح کا ایک امتیاز خصوصی نظر آتا ہے جس میں شفاعت کے اختیار کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اس خیال کی تائید مفسروں کے اقوال سے بھی ملتی ہے۔

مثلاً جلالین میں مذکور ہے کہ عیسیٰ کا وجیہ ہونا دو اعتبارات کا حامل ہے۔

دنیا میں آپ کی نبوّت اور آخرت میں اللہ کی نزدیک و تقرّب میں آپ کا ہونا شفاعت کا اختیارات رکھنا اور علو درجات!

طبری نے وجیھا کا مطلب "ذو وجاہۃ و منزلۃ" دیا ہے۔ اور مراد و مطلب یہ بتایا ہے کہ مسیح ان میں ہوں گے جنھیں اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنی قربت عطا کرے گا اور اپنے جوار میں جگہ دے گا۔

رازی نے ذرا اور تفصیل دی اور وجہ اس کی یہ بتائی ہے کہ:

"کیونکہ مسیح کی دعائیں مستجاب تھیں اور سب کے سب قبول کر لی جاتی تھیں نیز یہ کہ آپ مُردے جلا دیا کرتے تھے، جنم کے اندھے کو بینا بنا دیتے تھے۔ اور کوڑھ جیسے (لاعلاج) مرض سے آپ لوگوں کو پاک وصاف کر دیا کرتے تھے اور روزِ آخرت اللہ ان کو شفیع امّت بنائے گا"۔

رازی نے مقربان الٰہی کے سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ:

"اللہ نے مسیح کو اپنی قربت عطا کر کے آپ کو ایک استحقاق عظیم بخشا اور صفت حمد میں ملائکہ کے درجاتِ اعلیٰ تک پہنچا دیا ہے"۔

آیت میں ایک تنبیہہ یہ بھی ہے کہ:

"عنقریب عیسیٰ آسمان پر اٹھائے جانے والے ہیں اور فرشتوں کے مصاحب بننے والے ہیں"۔

تیسرے اس بات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ ہر وجیہ اور ہم شخصیت قیامت

کے روز مقرّب بارگاہ الٰہی نہ ہوسکے گی کیونکہ اہلِ جنّت الگ الگ مراتب میں تقسیم ہوں گے۔

سوم

قرآن میں مسیح کے معجزے

ا۔ خلق

قرآن شریف نے حضرت مسیح کے بارے میں پانچ قسم کے معجزات کا ذکر کیا ہے۔
خلق[۱]، ولادت[۲] اسکے فوراً بعد تکلّم۔ احیاء[۳] موتیٰ اور جنم کے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفاء کلّی عطا کرنا۔ علم غیب[۴] اور انزالِ[۵] مائدہ

قرآن میں سورۂ مائدہ (آیت ۱۱۰) میں یہ لکھا ملتا ہے:

"اذ قال اللہ یٰعیسیٰ .... واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر
فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی"

"یعنی یاد کرو وہ وقت جب کہ مٹّی سے تم پرند جیسی چیز کی تخلیق کرتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم و اجازت سے (سچ مچ) کا پرند بن جاتا"

ابنِ عربی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ
"اللہ نے عیسیٰ کو ان کے روح ہونے کی وجہ سے اس قسم کی خصوصیت دی تھی اور ان کا مٹّی لے کر تخلیق (پرند) میں نفخ یعنی پھونکنے کو مضاف کیا۔ زندگی بخشنے کے معاملہ میں سوائے عیسیٰ کے اس طرح کا نفخ اور کسی کے ساتھ منسوب نہیں کیا گیا۔ ہاں خود اللہ تعالےٰ کی ذات سے ضرور منسوب و مضاف کیا گیا"۔

۲۔ بوقت ولادت آپ کا گفتگو کرنا۔

جب مریم نے اپنے بیٹے کو جنم دیا تو اُن کی قوم والوں نے ان کی خوب لعنت ملامت کی۔ کیونکہ وہ یہی خیال کرتے تھے کہ بچّہ بدچلنی کا نتیجہ ہے۔ (تو قرآنی بیان کے مطابق)

"فاشارت الیہ۔ قالوا کیف نکلّم من کان
(سورہ مریم آیت ۲۸) فی المھد صبیا قال انّی عبداللہ
(آیت ۲۹) اتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ (یعنی مریم نے
بچّہ کی طرف اشارہ کرکے کہا (پوچھ لو اس بچہ سے ساری حقیقت)
تو وہ سب کہنے لگے کہ بھلا ہم پالنے میں پڑے ایک بچّہ سے کیسے ہمکلام ہوسکتے ہیں۔ یعنی یہ ایک انھونی بات ہے! بچّہ (یعنی عیسیٰ) بول پڑا میں تو اللہ کا خادم و بندہ ہوں۔ اس نے مجھے الکتاب بخش دی ہے اور مجھے نبی بھی بنا دیا ہے"

علماء کے ایک ثقہ گروہ نے یہ مانا ہے کہ :

" مریم کے لوگوں نے جب لعن طعن اور رُسوا کرنے کے معاملہ کو بہت بڑھایا تو مریم خاموش تو رہیں مگر ضبط نہ کر سکیں۔ اور اپنی صفائی میں صرف بچّہ کی طرف اشارہ کر دیا، گویا کہ ان کا یہ مطلب تھا کہ اس سوال کا جواب تو تمھیں بچّہ ہی دے گا "

سدی نے فرمایا :

" جب مریم نے قوم کے ان افراد کی طرف اسطرح کا اشارہ کیا تو اُن لوگوں کو بڑا غصّہ آیا اور وہ بولے کہ دیکھو کتنی ڈھیٹ ہے اس کا تمسخر تو اس کی زِنا سے بھی زیادہ سنگین ہے ! "

ایک اور روایت بتاتی ہے کہ :

" عیسیٰؑ دُودھ پی رہے تھے جب اُنھوں نے یہ گفتگو سُنی تو دودھ چھوڑ دیا اور ان لوگوں کی طرف رُخ پھیرا، اور اپنے بائیں طرف کے پہلو کو ٹیکا اور اپنی کلمہ کی اُنگلی اٹھائی، تب اُن لوگوں کو جواب دیا "

رازی نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ :

" حضرت زکریا اس موقع پر حضرت مریم کی طرف سے یہودیوں سے مناظرہ و حجت کرنے آموجود ہوئے تھے اور انھوں نے ہی عیسیٰؑ سے کہا تھا کہ اب تم اپنی حجّت پیش کرو اگر تم کو اس کا حکم مل چکا ہے "

تب عیسیٰؑ نے کہا :

" انی عبداللہ ..... (الیٰ آخر الآیۃ)

۳۔ مُردے زندہ کرنا۔ جنم کے اندھوں کو بینائی عطا کرنا اور کوڑھیوں کو شفا

مسیح کی ہی زبان سے قرآن نے یہ کہا کہ :

ابرئ الاکمہ والابرص واحیي الموتیٰ باذن اللہ" (آلِ عمران آیت ۴۹)

سب ہی عربی دان جانتے ہیں کہ الاکمہ کا مطلب ہے وہ شخص جو مادر زاد بینائی سے محروم ہو" الابرص کوڑھی کو کہتے ہیں، یہ دونوں ہی امراض انسان کے بس سے باہر اور لاعلاج ہیں۔

متنّی کی ایک روایت، جس کا سلسلہ ابن اسحاق حفص ابن عمر، عکرمہ سے ملتا ہے یہ بتاتی ہے کہ :

" اللہ عزّ وجل نے عیسیٰؑ کی طرف سے یہ خبر دی ہے گویا کہ یہی بات وہ بنو اسرائیل سے بطور احتجاج اپنی نبوّت و آیات و نشانی کی اساس پر کہیں گے کہ یہ دونوں امراض لاعلاج ہیں اور یہ عطاء بینائی اور شفا ان کی سچّائی کی دلیلیں ہیں۔

و احیي الموتیٰ

یعنی " میں مُردے زندہ کر دیا کروں گا "

اس آیت پر وہب ابن منبہ نے لکھا ہے کہ :

"حضرت عیسیٰ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو اچانک ایک لڑکا۔ ایک چھوٹے بچہ پر ٹوٹ پڑا اور اسکو لاتیں مار مار کر ہلاک کردیا۔ پھر اُسے خون میں لتھڑا ہوا عیسیٰ کے قدموں پر پھینک دیا، جب لوگوں کو خبر لگی تو اس کا الزام عیسیٰ پر ہی لگایا گیا اور ان پر پکڑ کر مصر کے قاضی (جج) کے پاس لے گئے اور یہ الزام لگایا کہ اسی نے قتل کیا ہے۔"

قاضی نے آپ سے پوچھا:

"کیا تو موت کا باعث بنا تھا؟

عیسیٰ نے جواب دیا نہیں، مجھے نہیں معلوم کہ اسے کس نے قتل کیا ہے اور نہ میں اس کا ساتھی تھا۔ عیسیٰ پر لوگوں نے سختی کرنی چاہی تو آپ نے ان سے کہا۔ اچھا لڑکے کو میرے پاس لاؤ!

وہ بولے مطلب کیا ہے تمہارا؟

فرمایا، لڑکے سے پوچھ لوں گا کہ کس نے اُسے قتل کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ بھلا مُردے سے کیسے بات کرکے پوچھ لے گا لیکن اصرار کرنے پر آخر وہ لوگ آپ کو مقتول کے پاس لے گئے۔

"عیسیٰ نے دعا کرنی شروع کی تو اللہ نے اس لڑکے کو زندہ کر دیا"

وہب ہی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ:

"کبھی کبھی تو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بیماروں کی بڑی بھیڑ لگ جاتی تھی حتیٰ کہ ایک مجمع پچاس پچاس ہزار کا ہوجاتا تھا۔ جس مریض میں اتنی سکت ہوتی وہ آپ کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اور جس میں آپ تک پہنچنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی اس کے

پاس آپ خود چلے جاتے تھے اور آپ دعا کے ذریعے ان لوگوں کا علاج کرتے تھے۔"

الکلبی نے کہا کہ:

"حضرت عیسیٰ۔ یا حیّ یا قیّوم کی مدد سے مُردے جلا دیتے تھے۔ آپ نے عاذر (لعزر) اپنے ایک دوست کو بھی زندہ کیا"

آپ نے نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کو بھی قبر سے نکالا تھا، ایکبار ایک بڑھیا کے مُردہ بچہ کے پاس سے گذر ہوا اسکے لئے دعا کی تو وہ چارپائی پر سے اُتر آیا اور اپنے لوگوں کے پاس جاکر زندگی گذارنے لگا اور بال بچے دار بھی ہوا۔

۲۔ غیب کا علم

مسیح کی زبانی قرآن نے یہ بھی کہا:

وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم

(سورۂ آل عمران ۴۹)

علماء کو اس جگہ پر دو مسئلوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

پہلا یہ کہ وہ شروع ہی سے غیب کی۔ اور ڈھکی چھپی باتوں کی خبر دے دیا کرتے تھے۔

سدی نے روایت کی ہے کہ:

"مسیح لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ان کے ماں باپ کے کرتوت اور کام بتا دیا کرتے تھے۔ بچہ کو یہاں تک بتا دیتے تھے کہ تیری ماں نے تیرے

لئے فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے اور جب بچہ گھر پہنچتا۔ تو اس چیز کے لیے روتا رہتا حتیٰ کہ اسے حاصل کر کے ہی چھوڑتا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ اپنے بچوں کو مسیح کے ساتھ کھیلنے سے یہ کہکر روکنے لگے کہ یہ جادوگر ہے اور انھیں گھر ہی میں رکھنے لگے اور باہر نہ نکلنے دیتے تھے جب عیسیٰ ان کی تلاش میں ان کے پاس جاتے تو لوگ کہہ دیتے کہ گھر ہی میں نہیں ہیں۔

ایک بار مسیح نے پوچھ لیا کہ اگر گھر میں نہیں ہیں تو گھر میں کون ہے جواب ملا کہ وہ تو سُور ہیں۔

عیسیٰ نے کہا تب تو وہ ویسے ہی ہو جائیں گے۔

بعد میں لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ سچ مُچ وہ سُور بن چکے تھے۔

دوسری مشکل یہ تھی کہ اس طرح پر تو غیب کی خبر دینا معجزہ ہوا۔ جوتشی لوگ جو غیب کی خبر بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے لیے بغیر سوال پوچھے بتانا مشکل ہوتا ہے۔ پھر انھیں تو یہ بھی اعتراف رہتا ہے کہ ان سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ اور غیب کی خبر بلا کسی آلہ کی مدد کے۔ اور بغیر پوچھ گچھ کے بتانا سوا وحی کے اور کسی طریقہ سے ممکن نہیں۔

۵۔ آسمان سے دسترخوان اُتارنا

قرآن فرماتا ہے:

" اذ قال الحواریون یا عیسیٰ ابن مریم ھل یستطیع ربك ان ینزل علینا مائدۃ من السماء قال اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین۔ قالو نرید ان ناکل منھا و تطمئن قلوبنا و نعلم ان قد صدقتنا و نکون علیھا من الشاھدین قال عیسیٰ ابن مریم اللّٰھم انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا و اٰخرنا و آیۃ منك وارزقنا وانت خیر الرازقین (المائدہ ۱۱۲-۱۱۴)

یعنی جب حواریوں نے درخواست کی کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم کیا آپ کے پروردگار آسمان سے ہمارے لیے خوان اُتار سکتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

اگر ایمان دار ہو تو اس سے ڈرو!

انھوں نے کہا کہ ہم تو یہ اس لیے چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہم خاطر جمع رکھیں اور ہم پر یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ آپ اپنے قول میں صادق ہیں۔ نیز یہ کہ ہم آپ کے گواہوں میں شمار کیے جائیں۔

حضرت عیسیٰ ابنِ مریم نے اس وقت یہ دُعا کی کہ:

"اے اللہ آسمان سے ہمارے لیے خوان اُتار دے اور یہ خوان ہمارے لیے بطور عید اور تہوار کے منایا جانے لگے نہ صرف

ہمارے عصر میں بلکہ آنے والی نسلوں میں بھی، اور اسے
تو اپنی ایک نشانی کے طور پر قائم کردے کیونکہ تو بہترین
طور پر روزی مہیا کرنے والی ہستی ہے۔"

علماء کا تین باتوں میں نزول مائدہ کے بارے میں اتفاق نہیں ہے وہ اختلاف آراء کا شکار ہیں۔ ایک تو یہ کہ کس طرح المائدہ (خوان) آسمان سے اُترا، اس کی کیا کیفیت تھی، اور اس میں کیا کیا چیز تھی۔ قتادہ نے، جابر، یاسر ابن عمار اور محمد کے سلسلہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خوان اُترا اور اس میں روٹی اور گوشت تھا اسلئے کہ اُنھوں نے عیسیٰ سے ایسی خوراک کی درخواست کی تھی جس کو وہ کھائیں اور وہ ختم ہونے کا نام نہ لے۔

تب آپ نے فرمایا کہ اچھا میں درخواست منظور کرتا ہوں اور وہ تمھارے درمیان اس وقت تک موجود رہے گی جب تک کہ تم اسے چھپاؤ گے نہیں اور اس میں خیانت نہیں کروگے اگر تم نے ان دونوں حرکتوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو تمہیں عذاب دیا جائے گا!

روایت ہے کہ ایک دن نہیں گذرا کہ اُنھوں نے خیانت بھی کی اور چھپا بھی دیا۔ اسی لئے خوان دوبارہ اوپر (آسمان کی طرف) اٹھا لیا گیا۔ اور اُن بد کرداروں کی صورتیں اس طرح بگڑ گئیں کہ بندر اور سور بن گئے۔ حضرت ابنِ عباس کی جو روایت ہے۔ اس میں یہ ہے کہ عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے (اس درخواست کے بعد) یہ کہا کہ تین روزے رکھو اور بعد میں اللہ سے جو چاہتے ہو مانگو۔

چنانچہ انھوں نے تین دن روزے رکھے، جب روزوں کا اختتام ہُوا تو جاکر عیسیٰؑ سے کہنے لگے:

"روزے تو ہم نے رکھ لیے اور اب سخت بھوک لگی ہے۔ اب آپ اللہ سے دُعا کیجئے تاکہ آسمان سے اللہ مائدہ نازل فرمائے یہ سُنکر حضرت عیسیٰ ٹاٹ اوڑھ کر اور راکھ بچھاکر دُھونی رما کر بیٹھ گئے اور دُعا میں مشغول ہوگئے دراں اثنار فرشتے آسمانی خوان لے کر اُترے جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں انھوں نے اس خوان کو ان کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ پھر کیا تھا سب نے شکم سیر ہوکر کھایا اور ایک بھی بھوکا نہ رہا۔"

چہارم

قرآن میں حضرت مسیحؑ کی نبوّت

قرآن کی تعلیم کی روشنی میں شخصیت اور سیرتِ مسیح پر غور و خوض کرنے والے کے لیے مسیح کی نبوّت ایک ایسا موضوع ہے جس نے قرآن کی جدلیت اور بحث

و تحیص کو جنم دیا ہے۔ حتیٰ کہ پانچ نظریات وجود میں آ گئے۔

پہلا نظریہ "کفر" کا نظریہ ہے۔ قرآن شریف نے کہا :

"وَمَا کان اللہ ان یتخذ من ولد سبحانہ
اذا قضیٰ امرا فانما یقول لہ فیکون۔"
(سورۂ مریم، آیت ۳۴)

یعنی : "اللہ کے یہ بات شایانِ شان نہیں کہ وہ ولد (جنما ہوا بیٹا) بنالے اس کی ذات پاک و بے نیاز ہے۔ وہ تو جب کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس یہ کہہ دیتا ہے کہ "ہوجا" اور وہ چیز الٰہی منصوبہ کے مطابق وجود میں آجاتی ہے۔"

وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا لقد جئتم شیئا ادا تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا ان دعوا للرحمٰن ولدا وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا آتی الرحمٰن عبدا۔

یعنی : "اور انہوں نے کہا۔ رحمٰن نے کسی کو اپنا جایا یعنی بیٹا بنالیا ہے۔ یہ جو تم کہتے ہو بڑی سخت بات ہے جو تم نے گھڑ رکھی ہے کہ رحمٰن (اللہ) کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

(یہ تو ایسی بات ہے کہ) پہاڑ پھٹ پڑیں زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ بنکر رہ جائیں۔ کیونکہ خدا کے یہ بات شایانِ شان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنالے۔ آسمان و زمین کی ساری مخلوق تو ایسے ہیں کہ سب رحمٰن کے حضور بندے اور غلام بنکر ہی پیش ہوں۔" (قرآن : سورۂ مریم، آیات ۸۸ تا ۹۳)

امام فخر الدین رازی کی تفسیر میں یہ آیا ہے کہ :

"یہ بات تمھیں معلوم ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بت پرستوں کی تردید کردینے کے بعد اب اس شخص کی تردید فرما رہا ہے جو اللہ کے لیے بیٹا (ولد) ثابت کرتا ہے۔"

جیسا کہ فرمایا :

"وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ، یعنی یہودیوں نے عزیر کو اور عیسائی نے مسیح کو اللہ کا بیٹا کہا ہے اور عرب نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا ہے۔ اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔"

یہ جملہ "جئتم شیئا ادا" بڑی بری اور بے جا بات مانی گئی ہے اس لیے زمین کے پھٹ جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس قول پر کہ اللہ نے ایک بیٹا بنالیا ہے۔ خدا کے غضب و غصہ کا اظہار کیا گیا ہے۔

دُوسرا نظریہ ہے کہ خالق کے ساتھ کسی مخلوق کو ملا دینے کا نظریہ قرآن نے کہا:

وجعلوا من عبادہ جزءًا ان الانسان لکفور مبین ام اتخذ مما یخلق بنات واصفاکم بالبنین۔

یعنی: انہوں نے اسکے بندوں میں سے اس کا جزو حصہ بنا ڈالا، دیکھو تو انسان کو کہ کتنا کھُلم کھُلا ناشکرا ہے! کیا خدا نے اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوقات میں سے خود اپنے لئے تو بیٹیاں چن کر رکھ لیں اور تمہارے لیے بیٹے چُن کر رکھ دیئے۔"

(سُورۂ الزخرف ۴۳۔ آیت ۱۵-۱۶)

اب اس موقع پر یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ خالق اور مخلوق میں وہ کون سا رشتہ ہے کہ ایک جزو مخلوق اپنے خالق سے مل جائے۔ یہ بات عقلاً اور فطرتاً ناممکن ہے۔ ایسے لوگوں نے اللہ کے اس قول کو پیش کیا ہے:

"ان کل ما فی السمٰوات والارض الا آتی له عبدًا"

یعنی: زمین و آسمان کی ساری مخلوق اللہ کی غلام ہے"

اس لیے کسی عبد اور بندہ کا رب بن جانا ممکن نہیں ہے۔ پھر آیت:

"بدیع السمٰوات والارض۔ یعنی اللہ ہی زمین و آسمان کا موجد اور پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیے کسی مخلوق کا خالق بن جانا بھی خلافِ عقل ہے"

ہم مسیحی بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کی مخلوقات میں کسی کے ایک حصّہ اور جزو کا اپنے خالق میں ضم ہوجانا جائز نہیں ہے لیکن ہمارے عقیدہ میں یہ بات باپ اور بیٹے کے تعلقات پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ ہم ابن کے لیے وہی جوہر مانتے ہیں جو باپ کے ساتھ ہے۔

قرآن نے بھی تو یہ کہہ دیا ہے کہ:

"ھو کلمة الله وروح منه" (القرآن)

یعنی مسیح اللہ کا کلمہ اور اس کی رُوح میں سے ہے اسلئے مسیح کی شان پر مخلوقات کے جزو کا خالق کے ساتھ ضم ہوجانا وارد نہیں ہوتا۔

تیسرا نظریہ یہ ہے کہ نر و مادہ سے مل کر ہی بذریعہ ولادت بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ اس نظریہ کو بھی ایک مشکل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسلام میں ابنیت یا بیٹا ہونے کا مفہوم ہے۔ قرآن کی آیت:

انّٰی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة

(سُورۂ انعام آیت ۱۰۲)

یعنی: "اللہ کے ولد کس طرح پیدا ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کے کوئی بیوی ہے ہی نہیں"

بیضاوی نے اس آیت پر اپنے خیال کا اظہار یوں کیا ہے:

"عقل جس بات کو تسلیم کرتی ہے ولد (بیٹا) کے معاملہ میں وہ یہ ہے کہ وہ دو ہم جنس نر و مادہ کے ملاپ سے ہی جنم لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ

ایسی باتوں سے پاک و بَری ہے"۔

اسلام کا یہی نظریہ ہے کہ جو اللہ کے لیے کسی جنمے ہوئے بیٹے یعنی ولد کو ناممکن ٹھہراتا ہے کیونکہ اللہ کی کوئی اہلیہ یا صاحبہ نہیں ہے اور کسی ایسی عورت کا اللہ کے لیے مانا جانا ناممکن سی بات ہے۔

اللہ کے لیے مسیح کے باپ ہونے کو منکر اور عجیب سی بات ماننے میں یہی ایک راز ہے کیونکہ قرآنی فکر میں کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا سوا اس کے کہ جسدی اور بدنی اور توالد و تناسل واقع ہو۔

طبری کی تفسیر جامع البیان میں اس کی تائید ملتی ہے جب کہ ابن وہب نے ابوزید سے روایت کی ہے کہ بیٹا نر و مادہ کے ملاپ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کے لیے کسی ساتھی عورت یا بیوی کا تصوّر ہی محال ہے اسلئے بیٹا (ولد) کہاں سے آئے گا۔ نیز یہ کہ اسی نے تو ساری چیزیں خلق کی ہیں اور جب یہ بات ہو کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اللہ نے خلق نہ کیا ہو تو اس کے بیٹا کیسے ہوگا۔

محققین نے یہ لکھا ہے کہ یہ مذکورہ آیت ان لوگوں کے حق میں اُتری تھی جو بدعتی تھے۔ اور جن کی جڑیں بُت پرستی میں گڑی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ مسیحی کُنبہ میں شامل ہو گئے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ اس بدعت اور غلط تعلیم کو کہ مریم بتُول اللہ ہیں، پھیلائیں۔ ان کے اندر یہ خیال اس وقت سے تھا جب کہ وہ بُت پرستی کا شکار تھے کہ زہرہ ستارہ جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے خدا ہے۔ اسی فاسد عقیدہ نے زہرہ کی جگہ

مریم کو رکھ دیا۔

علامہ احمد مقریزی نے اپنی کتاب "القول الابریزی" کے صفحہ ۲۶ پر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابن حزم نے بھی اپنی کتاب (الملل والاھواء والنحل) کے صفحہ ۴۸ پر اس بدعت پر بحث کی ہے۔ یہ بدعتی لوگ یہ بھی مانتے تھے کہ صرف اللہ کے بیوی ہے بلکہ یہ بھی کہ اس کے بچہ اور اولاد بھی ہوئی۔ اب صاف ہو گیا کہ قرآن شریف نے اسی نظریہ کا ردّ کیا ہے اور مسیحیت کا اس خیال سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

چنانچہ ایک بھی مسیحی ایسا نہیں ملے گا جو ایسی بات پر عقیدہ رکھتا ہو۔ یہ تو اللہ ذوالجلال اور قدّوس کی ذات کی توہین ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر طرح کے جسمانی خصائص سے پاک و منزّہ ہے!

حقیقت تو یہ ہے کہ مسیحیوں کا وہ عقیدہ جو انجیل شریف پر مبنی ہے، اس پر نظر اور غور کرنے والے پر یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح کا خدا کا بیٹا یا ابن اللہ ہونا اللہ کی کسی بیوی کے ذریعہ پیدا ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مومنوں کا یہ ایمان ہے کہ مسیح کا ابن اللہ ہونا وجُود و ذات الٰہی سے ان کے صدُور کی وجہ سے ہے جس کی صفت بتائی گئی کہ مسیح اللہ کا وہ کلمہ ہیں جو ابتدا سے خدا کے ساتھ تھا اور روُح القدس کی معرفت وہی مریم میں حمل کی شکل اختیار کر گیا۔

پولُس، مسیح کے ایک شاگرد، نے اسی حقیقت کی طرف قرن اوّل ہی میں

اشارہ کردیا۔

"پولس کی طرف سے جو یسوع مسیح کا بندہ ہے اور رسول ہونے کے لیے بلایا گیا اور خدا کی اس خوشخبری جس خدا نے پیشتر سے اپنے نبیوں کی معرفت کتابِ مقدس میں اپنے بیٹے، ہمارے خداوند یسوع مسیح کی نسبت وعدہ کیا تھا جو (یسوع مسیح) جسم کے اعتبار سے تو داؤد کی نسل سے پیدا ہوا۔ لیکن پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا۔"

(رومیوں کے نام خط ۱: ۱-۴)

چوتھا نظریہ:

"یاکل الطعام" یعنی مسیح کھاتا ہے" والا نظریہ ہے۔ یہ سورۃ المائدہ کی آیت ۷۵ پر مبنی ہے۔ جہاں لکھا ہے:

"ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقہ کانا یاکلان الطعام"

یعنی: "مریم کے بیٹے مسیح اس کے علاوہ کوئی نہیں کہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئی ہستی ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی خدا کے بھیجے ہوئے اشخاص گذر چکے ان کی ماں ایک راستباز خاتون تھیں' وہ دونوں کھاتے تھے۔"

اب اسلامی فکر کا کہنا یہ ہے کہ مسیح کو الوہی صفات سے متصف کرنا غیر ممکن ہے۔

کیونکہ یہ بات ان کی بشریت سے واضح ہے۔ جو کھانا کھاتا ہو وہ کیسے خدا بن سکتا ہے؟
رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"جس کسی شخص کی بھی ماں ہو وہ ایسا حادث اور نو پید ہے جو پہلے نہیں تھا۔ اور جو اس طرح پر ہو وہ مخلوق ہوا نہ کہ خدا، پھر یہ کہ دونوں (عیسیٰ اور مریم) کو خوراک کی اشد حاجت تھی' اور خدا تو وہ ہستی ہے جو ان ساری چیزوں سے بے پرواہ اور غنی ہے اس لیے مسیح کیسے خدا ہو سکتے ہیں؟ تیسری قابلِ غور یہ بات ہے کہ خوراک کھانے سے پاخانہ ہوتا ہے کیونکہ کھانا کھانے والے کو یہ احتیاج ہوا کرتی ہے لیکن یہ خیال رازی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ضعیف ہے۔"

پانچواں نظریہ یہ ہے کہ مخلوق کا نفع ونقصان پہنچانے سے عاجز ہونا جیسا کہ قرآن المائدہ ۷۶ میں ہے کہ:

"قل اتعبدون من دون اللہ ما لا یملک ضرا ولا نفعا"

یعنی: ...کیا تم ایسے چیزوں کی پوجا کرنا چاہتے ہو جو نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان دینے پر قدرت رکھتے۔"

مفسروں نے اس آیت کو نصاریٰ کے قول کے فاسد ہونے پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس سے کئی طرح کی حجت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

مثلاً

۱۔ ایک یہ کہ یہودی لوگ مسیح سے دشمنی کرتے اور ہر وقت ان کے خلاف ریشہ دوانی کرتے رہتے تھے لیکن حضرت مسیح ان کو کسی طرح کا بھی نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ ان کے حواری مددگار اور صحابی لوگ ان سے بڑی محبت کرتے تھے لیکن وہ

انھیں کسی طرح کا دنیوی فائدہ نہیں پہنچا سکے۔ اب جو نفع نقصان پہنچانے پر قدرت نہ رکھے اسے کس طرح خدا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اس آیت پر سے پردہ ہٹاتے ہوئے بیضاوی نے لکھا ہے کہ:

"عیسیٰ کو کہ گویا یہ امتیاز حاصل تھا کیونکہ اللہ نے انھیں اس کا مالک تو بنایا تھا لیکن یہ، تملیک ان کی ذاتی نہ تھی"۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر یسوعؔ محض قرآن کے ہی عیسیٰ ہوتے (یعنی قرآن نے جیسا انھیں پیش کیا ہے) یعنی بندہ اور غلام عیسیٰ تو ہم ضرور یہ مان لیتے کہ ان کی اپنی ذات میں نہ نفع پہنچانے کی سکت تھی نہ نقصان پہنچانے کی قدرت۔

لیکن یسوعؔ تو وہ ذات ہے جسے ایک اور نبی حضرت یسعیاہؔ نے "قادرِ خدا" بتایا تھا۔ اور ہم تو اس کے لیے شکر گذار ہیں کیونکہ مسیح کی رسالت نفع و ضرِ مادی سے بالاتر تھی بلکہ اُن کی رسالت نجات و خلاص عاصیاں تھی اور قرآن نے اسی حقیقت کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ مسیح رحمت للعالمین بن کر آئے تھے۔

۲۔ دوسری حجت یہ پیش کی جاتی ہے کہ مسیحی مذہب یہ مانتا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا تھا اور ان کی پسلیاں چھید دی گئی تھیں اور جب وہ پیاسے ہوئے اور پانی مانگا تو انھوں نے ان کے حلق میں سرکہ انڈیل دیا تھا۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کمزوری اور بے بسی کی ایسی حالت کسی میں پائی جائے تو وہ خدا کیسے مانا جا سکتا ہے؟

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ کائنات کے مالک خُدا کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہونا چاہیئے اور اسکے ماسوا ساری چیزوں کو اس کا محتاج۔

اگر حضرت عیسیٰ بے نیاز ہوتے تو اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے سے بھی بے نیاز ہوتے۔ کیونکہ اللہ تو عبادت نہیں کرتا۔ یہ تو بندہ کو سزاوار ہے کہ خُدا کی عبادت کرے۔ جب بطریق تواتر یہ بات ثابت ہے کہ مسیح طاعت و عبادت میں مواظبت اور مداومت کرتے رہتے تھے تو ہم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ کیونکہ نفع حاصل کرنے کے لیے اور دوسرے کی طرف دفع مضرّت کے لیے اسکے محتاج تھے پھر جس کی یہ حالت ہو وہ بندوں کی طرف فوائد کیسے پہنچائے اور ان کی تکالیف، مضرت کو اُن سے کیسے دُور کرے۔ مسیح بھی تو ایسے ہی تھے۔

لہٰذا، دوسرے عاجز بندوں کی طرح وہ بھی ایک بندہ تھے۔

پنجم

مسیح میں الوہیّت اور اسلام

اسلام اور مسیحیت کے درمیان مذاکرہ اور گفت و شنید کے بیچ جو چیز سب سے زیادہ آڑے آتی ہے اور جس کی سب سے زیادہ مخالفت کی جاتی ہے وہ ہے مسیح میں الوہیت کا مسیحی اعتقاد اور یہ وہ معاملہ ہے جسے اسلام میں کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کی مخالفت پر بہت سی قرآن کی آیتیں ملتی ہیں جن میں سے چار بہت صریح ہیں جو سُورَہ المائدہ میں ہیں اور ایک یعنی پانچویں سورۂ النساء میں واقع ہے۔

پہلی آیت

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح
ابن مریم۔ قل فمن یملك من اللہ شیٔاً
ان اراد ان یھلك المسیح ابن مریم و امہ
و من فی الارض جمیعًا۔

بیشک وہ کفُر کے مرتکب ہوگئے جنھوں نے یہ کہا کہ
اللہ تو وہی المسیح مریم کے بیٹے ہیں۔ ایسے لوگوں سے
یہ کہہ دو کہ کیا اللہ کے سامنے کسی کی پیش چل سکتی ہے

اور کسی کا کچھ بس چل سکتا ہے۔ اگر خُدا مریم کے بیٹے عیسیٰ
کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب
ہی کو ہلاک کردے تو اسے کون روک سکتا ہے!

(المائدہ آیت ۱۷)

اس آیت کی شرح کرتے ہوئے، الرازی کہتے ہیں کہ "یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ

اللہ ہی مسیح ابن مریم ہیں

پھر اس طرح کی بات اللہ نے کیوں کہی جبکہ مسیحی ایسا کہتے ہی نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے "حلولیہ" گروہ کے لوگ یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان خاص کے بدن میں یا اس کی رُوح میں حلول کر جاتا ـــ یا سما جاتا ہے۔

اگر ایسی بات ہے تو یہ ماننا کچھ بعید بھی نہیں ہے کہ شاید نصاریٰ میں کچھ لوگ ایسی بات کہتے اور مانتے رہے ہوں گے۔ اور پھر مسیحی یہ مانتے ہی ہیں کہ اقنوم الکلمۃ عیسیٰ کے ساتھ متحد تھا۔

"اب اقنوم الکلمۃ۔ یا تو ذات ہوگا۔ یا صفت ہوگا۔ اگر ذات مانیں تو یہ ماننا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عیسیٰ میں اُتری اور سما گئی۔ تب تو عیسیٰ اللہ ہوگئے۔

اور اگر اقنوم کو ہم صفت سے تعبیر کریں تو پھر صفت کا ایک ذات سے منتقل ہو کر دوسری ذات کی طرف جانا غیر معقول بات ہے۔"

"۔ پھر ذات الہٰی سے عیسیٰ کی طرف اگر اقنومِ علم کے انتقال
کو تسلیم کریں تو خدا کی ذات کا علم سے خالی ہونا لازم
آئے گا اور اس صُورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ جو عالم

نہیں وہ اللہ نہیں۔ پھر تو نصاریٰ ہی کی بات کے مطابق عیسیٰ خدا خدا ہو گئے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ نصاریٰ (مسیحی) اگرچہ ایسی بات کھُل کر نہیں کہتے لیکن ان کے مذہب اور عقیدہ کا نچوڑ یہی ہے۔

پھر اللہ سبحانہٗ نے اس مذہب اور عقیدہ کے فساد پر یہ کہکر حجّت پیش کی ہے کہ اگر اللہ عیسیٰ اور ان کی ماں کو مار ڈالے تو اس بات سے اسے کون روک سکتا ہے؟ اب اس جملہ سے مفسّروں نے یہ مُراد لیا ہے کہ عیسیٰ بھی شکل و صورت، جسم و بدن، صفات و احوال اور اعتیار سے ان ہی لوگوں کی طرح ہیں جنھیں "لمن فی الارض" یعنی زمین والے کہا گیا ہے (اس لیے وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں)۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

دُوسری آیت

لقد کفر الّذین قالوا ان اللہ ھو المسیح
ابن مریم وَقال المسیح یابنی اسرائیل اعبدوا
اللہ ربّی و ربّکم۔ انہ من یشرک
باللہ فقد حرّم اللہ علیہ الجنۃ وماؤاہ
النّار وما للظالمین من انصار۔

یعنی: وہ کفر بکتے ہیں جو یہ کہتے کہ مریم کے بیٹے مسیح خُدا ہیں حالانکہ خود مسیح کی بنی اسرائیل کو یہ تعلیم تھی کہ اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا دونوں کا خُداوند پروردگار ہے۔ اور خبردار ہو جاؤ کہ جو شخص اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرے گا خُدا اس پر جنّت کو حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ دُوزخ کی آگ کو بنائے گا اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔"

(المآئدہ ۷۲)

اب امام رآزی کی اس آیت پر شرح یہ ہے۔

"اللہ تعالےٰ نے جب یہودیوں کے ساتھ کلام کا استفسار کیا اور جہاںتک بات جاتی تھی کرچکا تو اس آیت میں نصاریٰ (مسیحیوں) کے معاملہ پر گفتگو کی اور ان کے ایک گروہ کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کی ذات میں حلول کیا اور ان کے ساتھ مل کر ایک ہوگیا۔"

تیسری آیت

لقد کفر الذین قالوا انّ اللہ ثالث
ثلٰثۃ وما من الٰہ الا الٰہ واحد وان لم
ینتھوا عما یقولون لیمسّن الذین کفروا
منھم عذاب الیم ○

یعنی:

"وہ لوگ بھی کفر بکتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ تو تین میں کا ایک ہے یا تین میں کا

تیسرا ہے، حالانکہ اس معبودِ یکتا کے علاوہ اور کوئی ہستی
سزاوارِ عبادت نہیں۔ یہ لوگ جو ایسا کہتے ہیں کہ اگر
اس سے باز نہ آئے تو سخت تکلیف دہ عذاب سے دوچار
ہوں گے۔" (المائدہ ۷۳)

مسلمانوں نے اس آیت کو لے کر مسیحیوں پر یہ الزام لگا ہے کہ وہ تین خداؤں کی عبادت کرتے ہیں۔

اللہ، عیسیٰ، اور مریم کی

رازی نے ایک دوسرے طریقہ پر مسیحیوں کے عقیدہ میں یہ پیش کیا ہے:

نصاریٰ کے بارے میں یہ بات کہی جاتی کہ اللہ جوہر واحد اور تین اقانیم والا ہے یعنی:

"باپ، بیٹا، روح القدس"

یہ تینوں ایک ہی خدا ہے۔ مثلاً سورج کا لفظ کہا جائے تو اس سے تین چیز مراد لی جاتی ہے۔ ٹکیا، کرن، گرمی (قرص، شعاع وحرارت) مسیحی لوگ باپ سے مراد ذات لیتے ہیں اور بیٹے سے مراد الکلمہ اور روح سے مراد زندگی لیتے زندگی لیتے ہیں۔

انھوں نے ذات، کلمہ، اور زندگی وحیات کو اسی طرح ثابت کیا ہے کہ الکلمہ، جو کہ اللہ کا کلام ہے عیسیٰ کے جسد و جسم میں جا کر گھل مل کر ایک ہو جاتا ہے۔ یا جیسے دودھ میں پانی کا اختلاط ہو جاتا ہے۔

مسیحیوں کا خیال یہ بھی ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے۔ روح خدا

ہے۔ پھر رازی نے اس تعلیق کے اضافہ سے یہ شرح ختم کر دی ہے کہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ خیال بدیہی البطلان اور خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ تین ایک نہیں ہو سکتے اور ایک تین نہیں ہو سکتا۔

چوتھی آیت:

واذ قال اللّٰہ یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللّٰہ؟ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔ ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب۔

یعنی: اس وقت کو بھی تو یاد کرو جب اللہ کہے گا۔ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں کو یہ سکھایا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو بھی دو خدا مان کر معبود بناؤ؟

تب عیسیٰ کہیں گے۔ باری تعالیٰ تو۔ تو قدوس و پاک ہے۔ بھلا میری کیا مجال تھی جو ایسی بات جسے کہنے کا مجھے حق ہی نہیں کہتا۔

اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے تو یہ معلوم ہے کہ کیونکہ جو بات میرے دل میں ہو تجھ پر عیاں رہتی

ہے لیکن تیرے دل میں جو ہے وہ مجھے نہیں معلوم
ہو پاتا تو۔ تو علام الغیوب اور ساری ڈھکی چھپی
چیزوں کا علم رکھنے والا ہے۔"

(المائدہ ۱۱۶)

رازی کو اس آیت میں کئی باتیں نظر آئی ہیں:

پہلی تو یہ جو اللہ کے قول .... "عیسیٰ ابن مریم" .... پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ روزِ قیامت عیسیٰ کی شان و وجاہت کا اللہ ذکر کر رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ عیسیٰ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی اور علام الغیوب کو اس طرح کا سوال بھی زیبا نہیں دیتا تو پھر اس طرح کا حضرت عیسیٰ سے خطاب کیوں؟

اس کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ اس خطاب سے یہ غرض تھی کہ نصاریٰ کو ملامت اور برا بھلا کہا جائے تو ہم (رازی) کہیں گے کہ اللہ کے علاوہ عیسیٰ اور مریم کی الوہیت کی بات تو ایک بھی مسیحی نے نہیں کی ہے تو پھر ایسی بات کو ان کی طرف منسوب کرنا جو انھوں نے کہی نہیں کس طرح جائز ہوئی۔

سوال اوّل کا جواب تو یہ ہے کہ وہ آیت استفہام انکاری کے طور پر لائی گئی ہے یعنی انھوں نے کوئی تعلیم نہیں سکھائی۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے حالانکہ مسیحی یہ مانتے ہیں کہ عیسیٰ اور مریم کے ہاتھوں جو معجزات ظاہر ہوئے ان کے خالق یا کرنیوالے خود عیسیٰ تھے۔ اللہ نے انھیں نہیں خلق کیا (نہیں کیا تھا) تھا۔

اب ایسی بات ہوئی تو مسیحیوں نے کہا ان سارے معجزات کے خالق عیسیٰ و مریم تھے، اللہ نہیں تھا۔ اب بعض چیز کے حق میں ان کا ثابت کرنا صحیح ہوا کہ عیسیٰ اور مریم ہی اسکے خالق تھے، ساتھ یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ خدا نہیں تھا۔

چنانچہ یہ حکایت و روایت اس تاویل کی بنا پر صحیح ہوئی

غرضکہ بات کچھ بھی ہو قرآن کے مفسّروں کے درمیان باہم اس بات میں اختلاف آراء ہیں کہ عیسیٰ سے اس طرح کا سوال آخر کس وقت اللہ نے کیا؟

سدّی کہتے ہیں کہ:

"عیسیٰ ابن مریم کو جس وقت اپنی طرف اٹھایا تھا تب یہ سوال کیا تھا۔ لیکن قتادہ کی رائے ہے کہ یہ سوال ابھی تک ان سے کیا ہی نہیں گیا۔ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس رائے کی موافقت کرنے والوں میں ابن جریج اور میسرہ بھی ہیں۔"

پانچویں آیت

"یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم
ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما
المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ
وکلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ
فآمنوا باللہ ورسولہ ولا تقولوا ثلثہ

انتھوا خیرًا لکم انما اللّٰہ الٰہ واحد

یعنی "اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھو
اور خُدا کے بارے میں سوا حق کے اور کچھ نہ بولو
مریم کے بیٹے عیسیٰ ہی مسیح ہیں۔ وہ خُدا کے وہ
الکلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا
اور وہ خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی اس کی رُوح
تھے اس لیے اللہ پر اور اسکے ان بھیجے
ہوئے پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو "تین ھے"
یہ کہنے سے بچو تو تمہارے لیے یہ بہتر بات ہوگی
کیونکہ خدا تو بس ایک ہی خُدا ہے۔"

(قرآن، سُورۂ نساء ۱۷۱)

ابو جعفر الطبری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے آیت کا کہ اے انجیل والے مسیحو، تم دین میں سچی بات سے تجاوز نہ کرو تاکہ افراط و تفریط کے مرتکب نہ بنو اور عیسیٰ کے حق میں سچی بات کے علاوہ اور کچھ نہ کہو۔

اللہ کو ثالث کہنے اور ماننے والو اسے تین میں کا تیسرا یعنی ثالث ثلثہ کہنے سے بچو کہ یہ اللہ پر جھوٹ اور اسکے ساتھ شرک کرنے کی بات ہوئی۔

اس سے بچتے رہو تو تمہاری اس میں بھلائی ہے، کیونکہ اس

طرح کی بات کہنے والے کے لیے جلد آنے والا عذاب ہے اگر اس بات پر اڑے رہے تو اگر سچی اور حق بات کی طرف رجُوع نہ کرو گے تو آخرت کا عذاب بھی ہے۔

اسلام میں دراصل نہ کھلنے والی اس گتھی پر اعتقاد ہے کہ تثلیث یا ثالث ثلثہ کا مطلب ہے کہ اللہ مسیح و مریم ان تینوں کو مل کر تثلیث بنتی ہے۔ حالانکہ مسیحیت نے ایک عرصہ دراز سے یعنی اسلام سے پہلے کے زمانوں میں بھی پکار پکار کر کہا ہے کہ لفظ یا کلمۂ تثلیث کا تو ہمارے ہاں وجود ہی نہیں ہے یہ تو بدعتی اور غلط تعلیم رکھنے والوں کے اوہام ہیں جنھیں مسیحی کنیسہ یا اُمت نے اپنی جماعت سے نکال باہر کر دیا تھا۔ اور ان کی اس بدعت کو سختی سے کچلا گیا تھا اس طرح کی غلط باتیں اور اوہام جاہل عرب میں انھیں جیسے لوگوں سے پھیل گئی تھیں۔

اسلام میں بھی انھیں کے ذریعہ ایسی غلط تعلیم آگئیں اور آج تک چلی جا رہی ہیں، اللہ مسیح مریم والی تثلیث کے عقیدہ کو مسیحوں کا عقیدہ بنا کر پیش کرنا آج کے زمانے میں ایک بڑی نادانی کی بات ہوگی۔

ششم

اسلام میں مسیح کی انسانیت

اسلام میں مسیح کے انسانی پہلو پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور اسکے لئے دُو خیال پیش کیے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ مسیح عبد ہیں۔ اور رب نہیں ہیں۔

دوسرے یہ کہ مسیح کی مثال آدم جیسی ہے۔

پہلی بات:

قرآن نے مسیح کی زبان سے کہا:

انی عبد اللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیًا وجعلنی مُبارکا این ماکنت واوصانی بالصّلاۃ والزکاۃ مادمت حیا وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبّارًا شقیًا۔ یعنی بچے (مسیح) نے کہا میں خدُا کا خادم اور بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں بھی رہوں مجھے مبارک اور صاحب برکت بنایا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھے نماز (دُعا) اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔

"مجھے اپنی ماں کے ساتھ سلوک و بھلائی کرنے والا بنایا ہے۔ اور بدبخت و سرکش نہیں بنایا۔"

(سُورۂ مریم ۳۰-۳۲)

رازی نے "عبداللہ" کے چار فائدے بتائے ہیں:

پہلا فائدہ۔

نصاریٰ لوگوں نے جو مسیح کو خدُا مانا ہے تو اس وہم کو یہ لفظ۔ عبدُاللہ دفع کرتا ہے۔

دوسرا فائدہ۔

مسیح نے جو اپنی بندگی اور عبودیت کا اقرار کیا ہے تو اگر وہ اپنی بات میں سچّے نہیں ہیں تو پھر ہمارا مقصد پُورا ہو گیا اور اگر اپنے قول میں سچّے نہیں تو جو اُن میں قوت تھی وہ الٰہی قوت نہیں تھی بلکہ شیطانی قوت ہوگئی چنانچہ دونوں صوُرتوں میں مسیح کا خدُا ہونا باطل ہوگیا۔

تیسرا فائدہ۔

اس وقت کا اہم تقاضا یہ تھا کہ مرؔیم کی ذات پاک سے زنا کی اس تہمت کا رد کیا جائے۔ پھر یہ کہ عیسیٰ نے اس پر نص نہیں کیا۔ بلکہ خود اپنی بندگی کے اثبات پر نص کیا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ پر تہمت کو ہٹانا انھوں نے اپنی ماں پر لگائی گئی تہمت کو ہٹانے سے زیادہ ضروری سمجھا اسلئے خود کو خدا کا بندہ کہا۔

چوتھا فائدہ

اللہ کی ذات پاک پر لگائی ہوئی تہمت کے ازالہ کی بات سے یہ فائدہ پہنچا کہ والدہ محترمہ پر کی تہمت بھی زائل ہوگئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی گری ہوئی فاجرہ عورت کو اس عالی مرتبت اور عظمت والے بچہ یعنی مسیح عیسیٰ کی ماں بننے کے لیے مخصوص نہیں کرسکتا۔

اسکے بعد رازی نے لاہوتیت مسیح کے مسیحوں کے عقیدہ پر رائے زنی کی ہے اور کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب بڑا گول مول اور خبط سے بھرا ہوا ہے یعنی ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نہ جسم ہے اور نہ حیّز ہے اسکے باوجود ہم ان کی ایک ایسی تقسیم کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے مذہب کے بطلان کے لیے کافی ہے۔

چنانچہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یا تو وہ اللہ کو کسی حیّز میں مانیں تو اجسام کے حدوث پر ان کے قول کو ہم نے باطل کر دیا۔ اگر وہ یہ مانیں کہ اللہ کو کوئی حیّز نہیں تو ان کے یہ کہنے سے ان کی اس بات کا بطلان ہوگا کہ اللہ کا کلمہ انسانیت سے (مسیح کی ذات میں) اس طرح مخلوط ہوگیا جیسے پانی شراب میں، یا آگ انگارہ میں، کیونکہ ایسی بات کا ہونا جسم میں ہی سمجھ میں آسکتا ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ مسیح کی شخصیت پر قرآن کی رائے زنی اور غور وفکر دو حقیقتوں پر منحصر اور متحمل معلوم دیتی ہے اور ان میں ایک ایسا بھید ہے جسے فطری اور طبعی انسان سمجھ نہیں پاتا۔

پہلی حقیقت۔

تو یہ ہے کہ مسیح کا ابن مریم ہونا ان کے عبداللہ یا بندۂ خدا ہونے کی

نسبت بتاتا ہے اور لفظ "عبداللہ" وہ تعبیر ہے جسے انبیاء کرام نے اپنی زبان سے ادا کیا۔ مثلاً نبی یسعیاہ کے صحیفہ کے ۵۲ باب کی تیرھویں آیت ملاحظہ ہو جہاں لکھا ہے کہ:

"ھوذا عبدی یعقل، یتعالیٰ و یرتقی و یتامیٰ جدا ... یعنی دیکھو یہ میرا خادم اقبال مند ہوگا وہ اعلیٰ و برتر اور نہایت بلند ہوگا"۔

پھر اسی صحیفہ کے باب ۵۳ کی گیارھویں آیت:

"عبدی البار بمعرفتہ یبرّر کثیرین و آثامھم ھو یحملھا۔

یعنی اپنے ہی عرفان سے میرا صادق خادم (بندہ) بہتوں کو راستباز ٹھہرائے گا کیونکہ وہ ان کی بدکرداری خود اٹھالے گا۔

دوسری حقیقت

سربستہ یہ ہے کہ مسیح کی بندگی اور عبودیت کی صفت سے قرآن کی اس آیت سے نفی نہیں ہوتی جس میں مسیح کو اللہ کا کلمہ اور اس کی روح کہا گیا ہے۔

اس نص قرآنی میں جو کہ دو پہلو کی متحمل ہے جو شخص گہرائی سے غور وفکر کرے گا اس پر پولس (ایک شاگرد مسیح) کا یہ اعلان خوب ظاہر ہو جائے گا۔ جو کہ اسکے مکتوب "رومیوں کے نام خط" میں واقع ہے:

"یسوع مسیح جو جسم کے اعتبار سے تو داؤد کی نسل سے پیدا ہوا لیکن پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مردوں میں

جی اُٹھنے کے سبب سے قُدرت کے ساتھ خُدا کا
بیٹا ٹھہرا۔" (باب اوّل آیات ۱-۴)

آئیے، اب دوسری بات پر غور کریں جو یہ ہے کہ عیسیٰ کی مثال تو آدم جیسی ہے۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران آیت ۵۹ میں آیا ہے:

"ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم
خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون"
یعنی بیشک اللہ کے نزدیک تو عیسیٰ کی مثال آدم جیسی
ہے کہ اسے مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا کہ ہو جا۔ تو
وہ ہو گیا۔ (یعنی جیتی جاگتی جان بن گیا)

طبری کی تفسیر میں اس آیت کی تشریح یوں ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ۔ نجران سے آئے ہوئے نصاریٰ کو بتا دو کہ میرا عیسیٰ کو بلا کسی مرد کے پیدا کر دینا ویسا ہی ہے جیسا میں نے آدم سے کہا تھا کہ ہو جا تو وہ بلا کسی نر و مادہ کے وجود میں آ گیا، چنانچہ بلا کسی مرد کے ان کی ماں سے عیسیٰ کو خلق کرنا میرے آدم کو خلق کر دینے سے زیادہ عجیب نہیں ہے۔

محمد ابن سعد نے اپنے باپ سے۔ اور ان کے باپ نے ابنِ عباس سے روایت کی کہ شہر نجران سے ایک جماعت حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی ان میں سیّد اور عاقب بھی تھے، انھوں نے محمدؐ سے پوچھا تمہارے صاحب کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ عیسیٰ جن کو آپ اللہ کا بندہ سمجھتے ہیں۔

حضرت محمدؐ نے کہا:

"ہاں ہاں، وہ تو اللہ کے عبد تھے، اس پر وہ لوگ بولے کیا آپ نے عیسیٰ کی طرح کسی اور کو بھی دیکھا ہے یا ان جیسے کسی اور کے بارے میں آپ کو خبر ہے؟ یہ کہکر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے تو جبرئیل اللہ سمیع علیم کی طرف سے یہ پیغام لے کر آئے کہ جب دوبارہ وہ لوگ آئیں تو ان سے کہو ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم۔"

ایک اور روایت ہے جو محمد ابنِ حسین احمد ابن مفضل کے سلسلہ میں سدی نے کی ہے کہ "جب محمد مبعوث ہوئے اور نجران کے لوگوں کو آپ کی خبر ہوئی تو نجرانیوں کی طرف سے چار ایسے اشخاص آپ کے پاس بھیجے گئے جو قوم میں اعلیٰ مرتبہ کے حامل تھے۔ ان کے نام یہ تھے۔

العاقب، السیّد، ماسر اور ماریجز

جب یہ آئے تو محمدؐ سے پوچھا کہ آپ کا خیال عیسیٰ کے بارے میں کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ وہ اللہ کے بندے اللہ کی رُوح اور اللہ کا کلمہ ہیں! اس پر وہ چاروں بول پڑے نہیں، وہ تو خُدا تھے جو اپنی بادشاہی چھوڑ کر نیچے اُترے اور مریم کے بطن میں چلے گئے پھر وہاں سے باہر تشریف لائے

اور ہم پر ظاہر ہوئے۔ کیا آپ نے کبھی ایسا بھی آدمی دیکھا ہے جو بلا باپ کے پیدا ہوا ہو؟ اس پر اللہ نے آیت۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم نازل فرمائی۔

تیسری روایت۔ ابن جریح نے عکرمہ سے بیان کی ہے:

"ہمیں پتہ چلا کہ نجران کے نصاریٰ کا وفد حضرت محمدؐ کے پاس آیا جس میں عاقب اور سید بھی تھے۔ انہیں دونوں نے پوچھا تھا کہ اے محمدؐ آپ ہمارے صاحب (خداوند) کو کیوں گالی دیتے ہیں؟ اور برا بولتے ہیں؟"

حضرت نے پوچھا تمہارے صاحب کون ہیں؟ انھوں نے کہا مریم کے بیٹے عیسیٰ جنھیں تم بندہ اور خادم بتاتے ہو۔

آپ نے فرمایا:

"ہاں ہاں، اللہ کے بندہ بھی تھے اور وہ اللہ کا کلمہ بھی تھے جو مریم کی طرف پہنچایا گیا تھا اور اللہ کی طرف سے بھیجی روح بھی تھے۔"

آپ کے اس کہنے پر انھیں غصہ آگیا اور وہ لوگ بولے:

"اگر آپ سچ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہیں تو ہمیں کوئی ایسا بندہ دکھایئے جو مردے زندہ کر دیا کرتا ہو۔ جنم کے اندھوں کو بینائی عطا کر دیتا ہو اور کوڑھیوں کو صحت عطا کرتا ہو، سنی ہوئی

مٹی سے پرند جیسی چیز بنا کر اس میں پھونک دیتا ہو اور وہ زندہ پرند بن جاتا ہو؟"

"نہیں، بلکہ وہ تو خدا تھے۔"

اس پر آں حضرت خاموش رہے حتیٰ کہ جبرئیل آئے اور کہا:

"اے محمدؐ۔ کفر بکا ان لوگوں نے جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے۔"

حضرت محمدؐ نے کہا:

"جبرئیل انھوں نے تو یہ پوچھا ہے کہ عیسیٰ جیسا اور کون ہے؟"

تب جبرئیل نے کہا:

"عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے۔"

هفتم

کُتب مقدّسہ (بائبل) میں المسیح

اس میں شک نہیں کہ جو شخص مسیحیت کی باتوں کو جاننے میں دلچسپی رکھے گا اسے کئی اہم اور سنجیدہ مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا اور شاید ان سب میں سخت مسئلہ مسیح کی طرف الوہیت کی منسوبی کا مسئلہ ہے۔

مسیحی یہ مانتا ہے کہ وہ یسوع جس نے فلسطین میں جنم لیا تھا ایک کنواری مریم نام کی عورت سے پیدا ہوکر اسی سرزمین پر کچھ عرصہ زندگی گذاری وہ اللہ کا فرزند تھا۔ یعنی اللہ الابن۔ یہ اعتقاد اکثر بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ کسی سوال کا مشکل ہونا مسیحی مذہب کو ایک توحیدی دین بننے سے نہیں روک سکتا۔ کیوں کہ مسیحیوں کا اعتقاد ہے۔ ذات باری واحد میں تین اقانیم یا شخصیتوں کے وجود کا۔ جو نہ صرف کسی وجود سابق کو اور نہ کسی وجود لاحق کو مستلزم ہے جو نہ کسی کبریٰ کو نہ کسی صغریٰ کو مستلزم ہے نہ اکبر کو نہ اصغر کو، بلکہ اللہ واحد ہے۔

ہاں، یہ ضرور ہے کہ اس نے ان تین اسمار کے ذریعے سے اپنے ظہور کا اعلان کیا تاکہ انسان کے لیے فدیہ اور فدار کا الٰہی نظام اور ترتیب آشکارا ہو جائے۔

مسیح کی الوہیت پر غور کرنے سے پہلے آیئے ہم ان بیانات

اور مشہور اعلانات کو پڑھیں جو کتاب مُقدس (بائبل) میں ملتے ہیں اور یہ دیکھیں کہ مسیح کے نزدیک خُدا کو باپ ماننے اور کہنے کا کیا مطلب تھا۔

اللہ کی ابوّت کے اعلانات

لوقا ۱: ۳۱ فرشتہ نے مریم سے کہا:

"دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا"۔

آیت ۳۲۔ رُوح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خُدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اس سبب سے یہ مولُود مقدّس خدا کا بیٹا کہلائیگا"۔

یسعیاہ ۷: ۱۴ اور متی ۱: ۲۲

"اور جب یسوع پیدا ہوا تو یسعیاہ کی معرفت کہی نبوت پوری ہوئی کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خُدا ہمارے ساتھ ہے"۔

متی ۲: ۱۶، ۱۷۔

"پھر یسوع کے اعتماد یعنی بپتسمہ کے وقت
کے بارے میں لکھا ہے کہ جب یسوع اعتماد
کی رسم کے وقت پانی سے اوپر گیا تو دیکھو اس
کے لیے آسمان کھُل گیا اور اُس نے خدا
کی رُوح کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے
اُوپر آتے دیکھا اور آسمان سے یہ آواز آئی کہ
یہ میرا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔"

پھر ہمیں اس موقع کی یاد آتی ہے جب یسوع کوہ حرمون پر اپنے تین شاگردوں کے ساتھ تھے۔ (دیکھیے متی ۱۷: ۵) تو آپ نے موسیٰ اور ایلیاہ سے کلام کیا اور ابھی آپ مصروف تکلم ہی تھے کہ

"دیکھو ایک نُورانی بادل نے ان پر سایہ کیا
اور اس بادل سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا
ہے جس سے میں خوش ہوں۔"

یہ تو وہ اعلانات تھے جو اللہ کی طرف سے بحیثیت باپ کئے گئے تھے۔

اب آئیے ان اعلانوں کو دیکھیں جو مسیح نے خود اپنی طرف سے کیے:

۲۔ اپنی تمثیلوں کو بیان کرتے وقت ایک موقع پر مسیح نے فرمایا تھا:

"انگور کا حقیقی درخت میں ہوں اور میرا باپ باغبان ہے۔"

(یوحنا ۱۵: ۱)

"میری بھیڑیں میری آواز سُنتی ہیں اور میں انھیں
جانتا ہوں۔ اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلتی ہیں،
اور میں انھیں ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہوں،
اور وہ ابد تک کبھی ہلاک نہ ہوں گے۔ اور کوئی
اُنھیں میرے ہاتھ سے چھین نہ لے گا۔ میرا
باپ جس نے مجھے وہ دی ہیں سب سے بڑا
ہے۔ اور کوئی انھیں باپ کے ہاتھ سے نہیں
چھین سکتا۔"

(یوحنا ۱۰: ۲۷-۳۰)

پھر اپنے الوداعی پیغام میں حضرت مسیح نے فرمایا:

"میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔ اور
جو کچھ تم میرے نام سے چاہوگے میں وہی کروں
گا، تاکہ باپ، بیٹے میں جلال پائے۔"

(یوحنا ۱۴: ۱۲-۱۳)

ایک موقع پر یہودی لوگ فخریہ یہ کہہ رہے تھے کہ موسیٰ نے تو انھیں مَنّ وسلویٰ بیابان میں دیا تھا تو مسیح نے (یوحنا ۶: ۳۶) میں فرمایا تھا:

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ موسیٰ نے تو وہ
روٹی آسمان سے تمھیں نہ دی۔ لیکن میرا باپ
تمھیں آسمان سے حقیقی رُوٹی دیتا ہے۔"

ایک اور موقع (یوحنا ۵ : ۱۹-۲۳) پر دوسرے لوگوں سے مسیح نے فرمایا :

"مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ بیٹا آپ
سے کچھ نہیں کرسکتا۔ سوا اُس کے جو باپ کو کرتے
دیکھتا ہے کیوں کہ جن کاموں کو وہ کرتا ہے۔
انھیں بیٹا بھی کرتا ہے۔ اس لیے کہ باپ،
بیٹے کو عزیز رکھتا ہے' اور جتنے کام خود کرتا
ہے اسے دکھاتا ہے .... جس طرح باپ مُردوں
کو اُٹھاتا، اور زندہ کرتا ہے اسیطرح بیٹا
بھی، جنھیں چاہتا ہے زندہ کرتا ہے، باپ
کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا، بلکہ اس نے
عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپُرد کیا ہے۔
تاکہ لوگ بیٹے کی عزّت کریں، جس طرح باپ
کی عزّت کرتے ہیں۔ جو بیٹے کی عزّت نہیں
کرتا وہ باپ کی جس نے اُسے بھیجا ہے عزّت
نہیں کرتا۔"

آپ نے اسی میں مزید یہ بھی اضافہ کیا کہ :

"مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا
ہے بلکہ ابھی ہے کہ مُردے خُدا کے بیٹے کی آواز
سُنیں گے، اور جو سُنیں گے وہ جئیں گے۔" آیت ۲۵

تعلیم دیتے ہوئے ایک بار آپ نے (یوحنا ۸ : ۳۴-۳۶) میں فرمایا :

مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کوئی گُناہ کرتا ہے۔ گُناہ
کا غلام ہے، اور غلام تو ابد تک گھر میں نہیں رہتا۔ ہاں
بیٹا ابد تک رہتا ہے، پس اگر تمہیں بیٹا آزاد کرے گا
تو تم واقعی آزاد ہوگے۔"

لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے ایک بار آپ نے فرمایا تھا :

"میرا باپ اب تک کام کرتا ہے اور مَیں بھی کام
کرتا ہوں۔ اس سبب سے یہودی اور بھی زیادہ اسے
قتل کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ نہ فقط سبت کا
حکم توڑتا ہے۔ بلکہ خدا کو خاص اپنا باپ کہہ کر اپنے
آپ کو خدا کے برابر بناتا ہے۔" (یوحنا ۵ : ۱۷، ۱۸)

اسی طرح سامعین کو ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :

"میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا ہے
اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے، اور کوئی باپ
کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا اسے
ظاہر کرنا چاہے۔ اے محنت اُٹھانے والو، اور بوجھ سے
دبے ہوئے لوگو، سب میرے پاس آؤ، مَیں تم کو آرام
دُوں گا۔" (متی ۱۱ : ۲۷، ۲۸)

اب ان سارے اعلانوں پر غور کریں تو لگتا ہے کہ نہ کوئی عام انسان، نہ کوئی نبی اور

رسول ، نہ آسمان کا کوئی فرشتہ ، نہ کوئی داروغہ فرشتگان یسوع مسیح کی عجیب و غریب شخصیت کے بھید کا ادراک کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسی کنہ کی طرف یسعیاہ نبی نے بھی اشارہ کیا تھا۔ اس سے اس بات کی بھی بخوبی صراحت ہو جاتی ہے کہ یسوع مسیح کی ذات و شخصیت ایسی غیر محدود ہے کہ سوا باپ (خدا) کے اور کسی کو یہ مقدور نہیں کہ اسے پورے طور پر سمجھ سکے۔

اگر یسوع ایک عام انسان ہوتے تو اس قسم کا بیان صحیح بھی نہ ہوتا۔

اس میں بھی شک نہیں کہ یہ عظیم اعلان ، باپ کے ساتھ اس کی وحدت ازلیہ کے اعتبار سے مسیح کی رسالت خدمت اور وظیفہ پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ اس باپ کو جو اندیکھا اور غیر مرئی ہے لوگوں پر ظاہر و منکشف کرے ، یہ اعلان خواہ ایک ناقابل فہم معمّہ سا نظر آئے گا

لیکن اس سے انکار نہیں کہ روح القدس نے جناب یوحنا حواری پر اس کا الہام کر دیا تاکہ وہ قاری کے سامنے ایک آیتوں کے سلسلے کے ذریعہ کہ جس کی کلیدی آیت

یوحنا ۱ : ۱۸ ، ہے اس الہام کی وضاحت کرتا چلا جائے کہ اللہ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا ۔"

یہ آیت یہ یقین دلاتی ہے کہ نہ کسی بشر نے ، نہ کسی فرشتہ نے ہی کبھی خدا کو دیکھا ہے نہ اس کی شایان شان کما حقہٗ علم سے جانا ہے۔ یا ادراک کیا ہے۔ یعنی اس کی الوہی صفات کے ساتھ کبھی کسی نے خدا کو نہ دیکھا نہ جانا ہے

اور جو کچھ بھی منکشف ہوا تو وہ الہام سے یا وحی سے یا رُویا سے ہی حاصل ہوا ہے ، چنانچہ نہ کبھی موسیٰ نے نہ کسی اور نبی نے کبھی خدا کو دیکھا ہے ، ہاں جو کچھ خدا کے بارے میں معرفت ملی ہے وہ الہام و وحی یا رُویا کے ذریعہ ہی ملی ہے اور وہ الہام و وحی سوا شخص ثانی یا اقنوم ثانی مسیح کے جو ابن اللہ ہے اور کوئی دوسری چیز نہیں !

کیونکہ وہی آیات بالا کے مطابق تنہا ایسی شخصیت ہے جو مثلث اقانیم ذات باری کے افکار کو جانتی ہے اور عالم کے لیے الٰہی مقاصد کا حکم رکھتی ہے اور وہی جسد انسانی میں ظاہر ہوئی۔

(پہلا تیمتھیس ۳ : ۱۶)

جب مسیح شاگردوں (حواریوں) کو اللہ یعنی باپ کے بارے میں سکھاتے ہیں کہ:

میں اور باپ ایک ہیں۔ جس نے مجھے دیکھا ،

باپ کو دیکھا ، میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے" وغیرہ ،

تو انہیں یقین دلا رہے تھے کہ ان کے اور باپ کے درمیان ایک وحدت ہے ـــ کہ ارادہ و مشیئت میں ، مقام و مرتبت و قدرت میں اور مجد و عظمت میں باعتبار جوہر وہ (مسیح) اور باپ (خدا) ایک ہیں۔

رسولوں یعنی حواریوں کی گواہی

۱۔ پطرس کی گواہی

آپ کے حواری پطرس نے آپ کے بارے میں اسوقت بڑی صاف گواہی دی تھی جب

(۱۶ : ۱۵) حضرت مسیح نے حواریوں سے یہ پوچھا تھا کہ "تم مجھے کیا کہتے ہو؟" یعنی میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

تو شمعون پطرس نے جواب میں یہ اقرار کیا اور کہا:

"تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔" (متی ۱۶ : ۱۵)

ب۔ ایک دوسرے حواری یوحنا آپ کے بارے میں یہ شہادت ہے کہ:

"ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا کا بیٹا آگیا ہے اور اس نے ہمیں سمجھ بخشی ہے تاکہ اس کو جو حقیقی ہے جانیں اور ہم اس میں جو حقیقی ہے یعنی اسکے بیٹے یسوع میں ہیں۔ حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے۔"

(یوحنا ۵ : ۲۰)

ج۔ مسیحی کے شاگرد پولس نے (گلتیوں ۴ : ۴) یہ گواہی دی کہ:

"جب وقت پورا ہوگیا تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جو عورت سے پیدا ہوا اور شریعت کے ماتحت پیدا ہوا تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو مول لے کر چھڑا لے اور ..."

۴۔ انبیاء کی گواہی ___ حضرت سلیمان نے فرمایا:

کون آسمان پر چڑھا اور پھر نیچے اترا؟
کس نے ہوا کو مٹھی میں جمع کیا؟
کس نے پانی کو چادر میں باندھا؟

کس نے زمین کی حدود ٹھہرائیں؟
اگر تو جانتا ہے تو بتا۔ اس کا کیا نام ہے اور اسکے بیٹے کا کیا نام ہے؟
خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے۔ وہ ان کی سپر ہے جن کا توکل اس پر ہے۔" (امثال ۳۰ : ۴، ۵)

حضرت دانی ایل (دانیال) نے فرمایا:

میں نے رات میں رؤیا میں دیکھا، اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدم زاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام (خدا) تک پہنچا۔ وہ اسے اسکے حضور لائے اور سلطنت اور حشمت اور مملکت اسے دی گئی تاکہ سب لوگ اور امتیں اور اہل لغت اس کی خدمت گذاری کریں۔ اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو لازوال ہے اور اس کی مملکت کبھی جاتی نہ رہے گی۔"

حضرت یحیٰی نے فرمایا:

"اے لوگو! تم خود میرے گواہ ہو کہ میں نے یہ کہا ہے کہ میں مسیح نہیں ہوں مگر اسکے آگے بھیجا گیا ہوں، جو اوپر سے آتا ہے۔ وہ سب سے اوپر ہے۔ اور جو زمین میں سے ہے وہ زمین ہی سے ہے اور زمین ہی کی کہتا ہے، جو آسمان سے آتا ہے وہ سب سے اوپر ہے۔ جو کچھ اس نے دیکھا

اور سُنا اسی کی گواہی دیتا ہے، اور کوئی اس کی
گواہی قبول نہیں کرتا ہے .... باپ بیٹے سے محبت
رکھتا ہے اور اسی باپ نے سب چیزیں اس (بیٹے)
کے ہاتھ میں دے دی ہیں جو بیٹے پر ایمان لاتا
ہے ہمیشہ کی زندگی اس کی ہے، لیکن جو بیٹے کی
نہیں مانتا زندگی کو نہ دیکھے گا بلکہ اس پر
خدا کا غضب رہتا ہے۔" (یوحنا ۳: ۲۸-۳۶)

یہ ساری آیتیں پیش کرنے کے بعد یہ جتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کو جو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے وہ ذات الہٰی کے اقنوم یا تشخصیت ثانی ہونے کی حیثیت سے کہا گیا ہے۔ چنانچہ لفظ باپ اور بیٹا، مسیحی عقیدہ میں اُس قسم کے تصور سے جو انسان کے ہاں باپ بیٹے کا ہے، کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔

کتاب مقدس بائبل میں الابن (بیٹا) الکلمہ کو کہا گیا ہے جو نادیدہ خدا کی صورت ہے اور جو اللہ کی کبریائی اور شان ہے، وہ اسکے جوہر کا نقش و رسم ہے عمانوایل (یعنی اللہ معنا خدا ہمارے ساتھ ہے) ہے۔ یہ سارے کے سارے تعبیرات لفظ ابن کی ہی ہے۔ بالکل جس طرح کلمہ (بات) ذہن خیالات کی وضاحت کا وسیلہ ہوتا ہے اور جو کچھ عقل میں ہے اس کا ظاہری طور پر اعلان کرتا ہے اسی طرح جب الکلمہ نے جسم اختیار کیا ہے تو اس نے اللہ کے اس خیال کی وضاحت کرنیکا وسیلہ خود کو بنایا ہے جو اللہ نے نوع بشر کے لیے مقرر کیا ہے اور جس طرح کوئی رسم یا نقش کسی ہئیت بصورت

کی ترجمانی کرتا ہے اسی طرح یسوع مسیح بھی اللہ کی ترجمانی کرتا ہے جس طرح سوُرج کی روشنی جو کہ خود سورج کا جوہر ہی ہوتی ہے اس کی شان و شوکت کو بیان و ظاہر کرتی ہے۔ اسیطرح یسوع کے ذریعہ اللہ کے مجد و عزت، شان و جلال اور الوہیت کی رُوحانی ماہیت کی شان و عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ بس ہوا یہ ہے کہ اس نے اپنی محبت کی زیادتی اور شدت کے باعث اسے بدن کی چادر میں لپیٹ کر چھپا دیا ہے (کیونکہ پورے الہٰی جلال کو دیکھنے کی انسان میں تاب نہیں) اور وہ بھی بس تھوڑے عرصہ کے لیے یعنی فقط اس وقت تک کے لیے جب تک کہ وہ ہماری دنیا میں رہا تاکہ جو کچھ انسانی حیثیت سے ہم خدا کو دیکھ اور سُن سکتے ہیں، دیکھ اور سُن لیں!

ابتک جو کچھ کہا گیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ الابن (بیٹا) کی اصطلاح اس ہستی کے لیے استعمال کی گئی ہے جو ایک عامل یا ایجنٹ کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا وظیفہ یا خدمت یہ ہے کہ وہ لاہوت اور الوہیت کو برملا سامنے رکھ دے۔ وہ خدائے نادیدہ کو منکشف کرنے کا ایک ایسا وسیلہ و ذریعہ بن سکے جو انسان کے وجدان اور حس پر راست طریقہ سے عمل پیرا ہو۔ اس عمل میں رُوح القدس بھی مددگار ہوتا ہے۔

رُوح القدس اقنوم یا تشخصیت ثالثہ ہے۔ رُوح القدس کی فعلیت اور اثر کے بغیر انسان اللہ کے کنہ و حقیقت کو سمجھ نہیں پاتا اسلئے وہی اعلانات الہٰیہ کے اسرار و غوامض کو انسان پر ظاہر کرتا اور اسکے ادراک کما حقہ کیطرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسی حقیقت کو جان لینے کے بعد رسُول پولس نے یہ کہا:

"نہ کوئی روح القدس کے بغیر یہ کہہ سکتا ہے کہ یسوع خداوند ہے۔" (۱ کرنتھیوں ۱۲ : ۳)

اس کا بڑا امکان رہتا ہے کہ لفظ بیٹا، یا الابن بعض آدمی کے دماغ میں انقباض واضطراب و بے چینی کا باعث بن جائے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ الکلمہ کا باپ یعنی خدا سے علاقہ جوڑنے کا یا موازنہ کا وقت ہوتا ہے کیونکہ باپ تو زمانی لحاظ سے بیٹے سے پہلے ہوتا ہے اسلئے دونوں ہستیوں میں زمانہ اور فرق مراتب کی وجہ سے بڑا فرق پڑنا ضروری ہے لیکن اس مقام پر ہم یہ بتاتے چلیں کہ لفظ بیٹا بوجہ مضامین ہونے کے کسی طرح بھی نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ یعنی عدم مساوات اور تلاحق زمنی کے معنی کی طرف اشارہ ہی نہیں کرتا کیونکہ خود لفظ باپ کا جب اللہ پر اطلاق کیا جائے تو بے معنی ہوگا اگر اس وقت ایک بیٹا نہ پایا جائے، اور لفظ بیٹا بھی اسی طرح باپ کے وجود کا محتاج ہوتا ہے۔

کتاب مقدس کی یہی تعلیم ہے کہ ازل سے باپ ہے اور باپ کا لقب خود ہی بالضرورۃ ازل سے ہی ابن کا وجود چاہے گا اور شاید اسی خیال نے مساوات و برابری کے موضوع پر عقلی پراگندگی کو جنم دیا ہے اور یہ پراگندگی عموماً ذہنِ انسانی کو لاحق ہوتی ہے اور انھیں باپ کے وجود کی سبقت کی طرف لے جاتی ہے اور دونوں (باپ بیٹے) کی ہستیوں کے درمیان فارق زمنی کے تصوّر کی بنیاد ڈالتی ہے۔ لیکن حقیقی تعبیر یہی ہے کہ بلا تقدم و تاخر اس وقت تک باپ کا وجود نہیں جبتک کہ باپ نہ ہو، اسلئے اللہ اور اسکے بیٹے مسیح کیساتھ زمانہ کے فرق کو منسوب کرنا محض ایک خیالی اور موہومی بات ہے خصوصاً اس وقت تو اور بھی جبکہ اسکے ساتھ یہ بھی جوڑ دیا

جائے کہ، اللہ تو وہ ذات ہے جو نہ جنما گیا نہ جنم دیتا ہے (عام لوگ دنیا میں ولادت کے معنی یہی لیتے ہیں کہ جنم ہونا۔ نر و مادہ کے اختلاط سے) لیکن جنم کی نسبت خدا کیطرف کرنا بڑی تچھ اور نیچی سی بات ہے اس خیال سے ہر مسیحی پناہ مانگتا ہے اور اُسے کفران کر رَد کرتا ہے، ہاں روحانی ولادت کی نسبت اللہ کی طرف کرنا عقل سے زیادہ قریب ہے۔

مثلاً ہم ایسی تعبیروں، عبارتوں اور الفاظ کا بکثرت استعمال کرتے ہیں جیسے ابن الحق (سچائی کا بیٹا) ابن النُّور (نور کا بیٹا) جو کہ اس خیال کی ترجمانی کرتے ہیں کہ سچائی یا نور کے درمیان اس کا تماثل تام ہے۔ اسی معنی میں مسیح بھی ابن اللہ کہے گئے ہیں کیونکہ اللہ میں اور بیٹے میں ایک مکمل مماثلت ہے اور باہمی مشابہت و رفاقت ہے، مسیح کو ایسا اسلئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ خدا کی شخصیت کے ایک ازلی مکمل اور واحد مکاشفہ اور اعلان ہیں جیسا کہ ہم عبرانیوں کے خط (۱ : ۱، ۲) میں بھی پڑھتے ہیں کہ :

"اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادا سے حصّہ بہ حصّہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا۔ جسے اس نے سب چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جسکے وسیلہ سے اس نے عالم بھی پیدا کیے۔"

یوحنا کی معرفت لکھی ہوئی انجیل میں بھی کہا گیا ہے کہ :

"کلام مجسّم ہوا اور فضل و سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔"

❁

ہشتم

مسیح کی انسانیت میں الوہیت

"لوگ مجھے کیا کہتے ہیں ؟"

یہ ایک سوال ہے جو مسیح نے دو ہزار سال پہلے اپنے شاگردوں (حواریوں) کے سامنے رکھا تھا۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کی صدائے بازگشت، تب سے آج تک عالم میں گونج رہی ہے اور آج بھی یہ ہر شخص سے پوچھا جا رہا ہے !

شاید اس سوال سے زیادہ اہم اور بڑا سوال تاریخ میں کبھی پوچھا نہیں گیا اس کی اہمیت اس لیے ہے کیونکہ اس سوال میں ساری انسانیت سے تعلق رکھنے والا مسئلہ نہاں ہے۔

یہ سوال جب تک دنیا قائم ہے جوں کا توں بنا رہے گا۔ مذاہب اور اعتقاد کے بیچ اس سوال نے ایک خطِ فاصل کھینچ دیا ہے۔ اسی کے جواب پر ہر شخص کا انجام منحصر ہے۔

مسیح نے خود آزادی رائے کو بڑھایا اور سراہا ہے اس کی پشت پناہی کی ہے۔ اور کہیں بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ آپ نے زبردستی کسی بات کو کسی پر تھوپا ہو۔ ہر شخص کو قبول کر لینے یا ٹھکرا دینے کا اختیار دے رکھا ہے۔ مسیحیت کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اس مسیح کے بارے میں جس نے خود ہی اس مذہب کی تعمیر

اس قوت پر کیا ہے جس پر جہنم کے دروازے کبھی غالب نہیں آ سکتے مطلق اس عقیدہ سے نہیں ڈرتی جو مسیح کے بارے میں کہا گیا ہے۔

مسیحیت کی تاریخ کے کسی دور میں مسیح کی ذات و شخصیت کے بارے میں کبھی تلوار کا استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس ایمان کو اہمیت دی گئی ہے جو یقین کامل پر قائم ہو اور جسے دل و دماغ دونوں تسلیم کریں۔ اسی بنیاد پر ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ لوگ مسیح کی الوہیت کو زبردستی کیوں منظور کریں ؟ یا ایسی رائے پیش کی ہی کیوں جائے اور لوگ ایسے اٹل ہو جائیں کہ اگر کوئی اسکے خلاف کبھی کچھ کہہ دے تو غیظ و غضب میں آ جائیں اسی لیے ہم وہ تمام مختلف آرا و عقائد قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں جو مسیح کے بارے میں رکھتے گئے ہیں۔

۱۔ مسیح میں کامل الوہیت

اگناستی فرقہ نے عام مسیحیوں کے عقیدہ کے خلاف یہ مانا کہ مسیح صرف ایک الوہی وجود تھے۔ یہ لوگ عقیدۂ تجسّم کے بھی قائل نہ تھے، جبکہ عام مسیحی یہ مانتے تھے کہ مسیح میں الوہیت بھی تھی اور انسانیت بھی لیکن اگناستی لوگوں نے ان کی انسانیت کا انکار کیا۔

ان لوگوں کا کہنا تھا کہ مسیح انسان کی شکل میں تو ضرور ظاہر ہوئے لیکن وہ انسانی جسم کوئی حقیقی جسم نہ تھا، نہ ہی ان کی ولادت ہوئی، نہ انھوں نے دُکھ اٹھایا، اور نہ حقیقی موت کا مزہ چکھا کیونکہ جو جسم ان کے ساتھ نظر آ رہا تھا

وہ اصل میں ایک ظل یا چھایا تھا، پھر بعد میں اس فرقہ میں ایک اور جماعت پیدا ہوئی جس نے یہ مانا کہ مسیح کا بدن انسانوں کے بدن کی طرح مادّی نہیں تھا بلکہ وہ ایک خاص آسمانی جوہر تھا۔

اب یہ دیکھنے کی بات ہے کہ یہ خیال اور عقیدہ اللہ کی طرف سے وحی کردہ کلمات کے سامنے ٹھہرتا ہی نہیں ہے۔

مثلاً انجیل شریف کے یوحنا کے پہلے خط (۴: ۱-۳) میں یہ لکھا ملتا ہے:

"اے عزیزو!
ہر ایک رُوح کا یقین نہ کرو بلکہ رُوحوں کو آزماؤ، اور
دیکھو کہ وہ خُدا کی طرف سے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ
بہت سے جھُوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے
ہیں خدا کے رُوح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو
کہ جو کوئی رُوح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسّم ہو کر
آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو کوئی رُوح
یسوع کا اقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں
اور یہی مخالفِ مسیح کی رُوح ہے، جس کی خبر تم سُن
چکے ہو کہ وہ آنے والی ہے بلکہ اب بھی دنیا
میں موجود ہے۔"

۲۔ مسیح صرف انسان تھے

اوپر بتائے ہوئے عقیدہ اگناستی سے یہ عقیدہ بھی کسی طرح کم تعجّب

خیز نہیں۔ کیونکہ اس خیال کے پیرو مسیح میں الوہیت کو نہیں مانتے اور صرف ان کی انسانیت پر یقین کرتے ہیں۔

وہ کہتے تھے کہ مسیح ایک کامل و اکمل انسان تھے، یعنی زمین پر پائے جانے والے سارے لوگوں میں سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ اس لیے ان کی عظمت و بزرگی کو ایک عظیم رہنما اور سورما اور شہید کے طور پر ماننا چاہیئے شاید اس کا سب سے عمدہ جواب وہ ہے جسے ڈاکٹر کوتزاڈ نے دیا ہے کہ:

"جو لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ
ان کے لیے مسیح کو کوئی رہنما یا ہیرو ماننا مشکل ہے
وجہ یہ ہے کہ جو کچھ خود مسیح نے اپنے بارے میں
کہا ہے۔ اسی کو ان لوگوں نے رَد کر دیا ہے! ایسی
حالت میں مسیح کی دو ہی حیثیت ہو سکتی تھی یعنی یا تو
وہ خود سب سے بڑے دھوکہ باز تھے اور یا وہ خود
دھوکے میں تھے، اور ان صورتوں میں وہ خود
ایک بڑی قابلِ رحم ہستی ہوئے، پھر انھیں
عزّت و شرف دینا بے وقوفی ہے۔
حقیقت میں بات تو یہ ہے کہ اگر مسیح قابلِ
پرستش نہیں تو انھیں عزّت کا کوئی مقام دینے
کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جس چیز کے متقاضی تھے
وہ، یعنی عبادت اور اجلال وہ تو انھیں دیا ہی نہیں جا سکا۔"

۳- ان میں الوہیّت وانسانیت دونوں کا وجود

یہ وہ رائے ہے جو مسیحی امّت یا کلیسیا میں شروع سے رائج ہے ، اور چونکہ مبنی بروحی والہام ہے اس لیے اس کو قبولیت عام بھی حاصل ہے اور اسی کی منادی وبشارت کی جاتی ہے۔

اس رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح میں دو کامل طبیعتیں تھیں :

ایک الٰہی طبیعت۔

دوسری انسانی طبیعت۔

کیونکہ وہ کامل خدا اور کامل انسان تھا۔

شاید پوچھنے والا پوچھ بیٹھے کہ آخر کلیسیائی کونسلوں اور مجالسِ شوریٰ کے سامنے آخر وہ کیا مجبوری تھی جس نے الوہیت مسیح کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیا ؟

اور یہ اعتقاد ایسا جڑ پکڑ گیا کہ لاتعداد انسانوں نے اس کی حفاظت میں اپنی جانِ عزیز کو داؤں پر لگا دیا اور شہادت حاصل کی ؟

اس اعتقاد کے ماننے والوں میں بڑے بڑے مفکّرین تھے اور ہر زمانہ میں رہے۔ آخر ان کے پاس ایسی کون سی حجّت اور دلیل قاطع تھی جس پر ان کا تکیہ تھا۔ ایسے سوالات کے جوابات دینے ضروری ہیں۔ آیئے وہ ثبوت دیکھیں۔

نبوّتوں پر مبنی ثبوت

آغاز تاریخ سے کتاب مُقدّس کی آخری کتاب کے قریبًا چار ہزار[۴۰۰۰]

سال کے درمیانی عرصے میں ہمیں نبوّتوں اور پیشینگوئیوں کی متواتر اور مسلسل کڑیاں نظر آتی ہیں۔ ان پیشینگوئیوں کو مسیحیوں کی ایجاد کہہ کر ٹال دینا اتنا آسان نہیں ہے۔

یا یہ کہہ دینا کہ حقائق کو توڑ مروڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ مسیحیّت کے جنم لینے سے بہت پہلے سے ایسی وحی شدہ کتابوں یا ریکارڈ ملتے ہیں جو حضرت مسیح سے قریبًا چار سو سال پہلے کے ہیں۔

آیئے ہم ان کو اجمالاً اور خلاصہ کے طور پر دیکھیں۔

"آسمان سے انسانی صورت میں ایک الٰہی شخص
ظاہر ہوگا تاکہ دنیا کا نجات دینے والا بن سکے
یہ ہستی ابراہیم کی نسل سے اور عورت کے پیٹ
سے جنم لے گی ، یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ وہ
یہوداہ کے قبیلے اور داؤد کے گھرانے سے
ہوگا۔ ایک کنواری سے پیدا ہوگا جس میں
کسی قسم کا عیب یا گندگی نہ ہوگی۔ اور وہ شہر
بیت لحم، یعنی داؤد کے شہر میں پیدا ہوگا۔"

ان ساری باتوں کے ذکر کر دینے کے باوجود یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے وہ ہستی خدائے قادر ابدی وسرمدی ہوگی۔

اب دیکھئے کہ یہ باتیں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تجسم نہ واقع ہو اور لاہوت ناسوت کو لپیٹ نہ لے اور ان کا اتحاد عمل میں نہ آئے۔

ان باتوں کی تائید کرنے والی آیتیں یہ ہیں :

۱۔ "ہمارے لیے ایک لڑکا تولد ہوا۔ اور ہم کو ایک
بیٹا بخشا گیا۔ اور سلطنت اس کے کندھے پر
ہوگی اور اس کا نام عجیب مشیر خدائے قادر
ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔"

(یسعیاہ ۹ : ۶)

" خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا دیکھو ایک
کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا ہوگا اور وہ اس
کا نام عمانوایل رکھے گی۔"

(یسعیاہ ۷ : ۱۴)

متی نے (۱ : ۲۳) عمانوایل کا مطلب بتایا ہے اللہ
معنا یعنی خدا ہمارے ساتھ ہے۔

زبور (۱۱۰ : ۱) میں لکھا ہے :

" یہوواہ نے میرے خداوند سے کہا تو میرے دہنے
ہاتھ بیٹھ جب تک کہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے
پاؤں کی چوکی نہ کردوں۔"

یہ عبارت بڑی اہمیت کی حامل ہے جس کی تفسیر ہمیں سوائے ایمان کے اور کوئی نہیں مل سکتی۔

یعنی مانا جائے کہ یہ ایک مکالمہ تھا۔ باپ بیٹے کے درمیان اور اس میں متکلم

خود خدا ہے۔

میکاہ نبی (۵ : ۲) کو وحی کی گئی کہ :

" اے بیت لحم افراتاہ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں
شامل ہونے کے لیے چھوٹا ہے، تو بھی تجھ میں سے
ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا
اور اس کا مصدر و مخرج زمانہ سابق ہاں قدیم الایام
سے ہے۔"

۲۔ وہ دلائل جو خود مسیح کی زبان مبارک نے ادا کیے :

سپرجن نام کے ایک مردِ خدا جو ایک مشہور واعظ تھے، فرماتے ہیں :

" مسیح دنیا کی تاریخ میں ایسی زبردست مرکزی حقیقت
ہیں کہ تاریخ کے سارے فیضان اور بہاؤ آپ
ہی کے دستِ قدرت کے تحت ہو کر بہتے ہیں اور
اور زندگی کے سارے عظیم مقاصد ان کی شخصیت
ہی میں آکر مکمل ہوتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ
کے سارے معجزات حیرت انگیز کام آپ (مسیح) کے
بولے الفاظ کی تصدیق کرتے اور گواہ بنتے نظر آتے
ہیں۔ مسیح نے بیسیوں حقائق اپنے بارے میں
بتائے ہیں، جو سوائے اللہ کے کسی اور کے ساتھ منسوب
کیے ہی نہیں جا سکتے۔ مثلاً

آپ کا وجود ازلی

شاید آپ کی زبان مُبارک سے نکلا ہوا جملہ بڑی اہمیّت کا حامل ہے جو آپ نے یہودی مذہبی رہنماؤں کے سامنے فرمایا تھا:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ پیشتر اس سے کہ ابرہام (ابراہیمؑ) ہوا میں ہوں۔" (یوحنا ۸: ۵۸)

مَیں ہوں۔ وہی فقرہ ہے جو خدا نے خود اپنے اور اپنی ذات کے لیے اس وقت فرمایا تھا:

جب حضرت موسیٰ نے پوچھا تھا کہ:

جب میں بنی اسرائیل کے پاس جا کر کہوں کہ تمہارے باپ دادا کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور وہ مجھے کہیں کہ اس کا نام کیا ہے، تو میں ان کو کیا بتاؤں؟

خدا نے موسیٰ سے کہا:

مَیں جو ہوں، سو میں ہوں۔

تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ:

"مَیں جو ہوں" نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

(بائبل: خروج ۳: ۱۳، ۱۴)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنی ذات میں اسی خدا کو ظاہر کیا جو حضرت موسیٰ پر کوہ حرمون پر جلتی اور شعلہ زن جھاڑی میں ظاہر ہوا تھا۔

انجیل (یوحنا ۱۷: ۵) میں یہ بھی تحریر کر دیا گیا ہے مسیح نے اپنی سفارشی دُعا میں یہ فرمایا تھا:

"اب اے باپ تو اس جلال سے جو مَیں دنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا، مجھے اپنے ساتھ جلالی بنا دے۔"

اور آیت ۲۴ میں ہے کہ:

"اے باپ مَیں چاہتا ہوں کہ جنھیں تو نے مجھے دیا ہے جہاں مَیں ہوں وہ بھی میرے ساتھ ہوں تاکہ میرے جلال کو دیکھیں جو تو نے مجھے دیا ہے کیونکہ تو نے بنائے عالم سے پیشتر مجھ سے محبت رکھی۔"

اب دیکھئے کہ یہ کلمات کس درجہ مسیح کے ازلی وجود کا یقین دلا رہے ہیں:

"مسیح کو حادث یا نو پیدا اب کون سی زبان کہہ سکتی ہے۔"

آپ کا آسمان پر سے دُوبارہ نزُول

اسی طرح، ایک اور گفتگو کے دوران مسیح نے یہودیوں سے کہا:

"تم نیچے کے ہو۔ مَیں اوُپر کا ہُوں۔ تم دنیا کے ہو

"میں دنیا کا نہیں ہوں"۔ (یوحنا ۸ : ۲۳)

نکدیمس، ایک یہودی مذہبی رہنما سے مسیح نے دورانِ گفتگو فرمایا:

"آسمان پر کوئی نہیں چڑھا۔ سوا اسکے جو آسمان
سے اُترا یعنی ابنِ آدم (خود مسیح) جو آسمان میں ہے"۔

پھر کتاب مکاشفہ (۲۲ : ۱۳) میں آیا ہے کہ:

"میں الفا اور اومیگا ہوں۔ یعنی میں الف اور یاء
ہوں، اوّل و آخر ابتدا اور انتہا ہوں"۔

اس جگہ ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ مسیح نے نہ صرف آسمان سے اپنی آمدِ ثانی کے بارے میں بتایا، بلکہ یہ بھی کہ ان کا وجود اور حضوری آسمان میں اس وقت بھی برقرار تھی جب وہ اس روئے زمین پر تشریف فرما تھے۔

آپ کی حضوری ہر زمانہ میں

اور

آپ کا موجود ہونا ہر مکان میں

متی ۱۸ : ۲۰ میں آیا ہے کہ:

"جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں
وہاں میں ان کے بیچ موجود ہوں"۔

اور مسیح نے اپنے جی اٹھنے کے بعد شاگردوں یعنی حواریوں کو یہ حکم دیا تھا کہ:

"تم جاکر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ
بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے اعتماد (بپتسمہ)
کرو اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل
کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا اور دیکھو میں
دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں"۔

(متی ۲۸ : ۱۹-۲۰)

مسیح کا غیر محدود اختیار

مکاشفہ (۱:۸) بتاتا ہے کہ:

"خدا وند خدا جو ہے، اور جو تھا۔ اور جو آنے
والا ہے یعنی قادرِ مطلق فرماتا ہے کہ میں الفا اور
اومیگا۔
(یونانی حروفِ تہجی کا پہلا اور آخری حرف)
ہوں"۔

پھر متی ۲۸ : ۱۸ بتاتی ہے کہ:

"یسوع نے پاس آکر ان (حواریوں) سے باتیں کیں

اور کہا کہ آسمان و زمین کا کل اختیار مجھے دیا
گیا ہے۔"

۳- تیسری دلیل آپ کے الٰہی القابات اور افعال ھیں

۱- آپ کا خالق ہونا

"وہ سب چیزیں اسکے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور
جو کچھ بھی پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز
اسکے بغیر پیدا نہیں ہوئی، اس میں زندگی تھی
اور وہ زندگی آدمیوں کا نُور تھا۔"

(یُوحنّا ۱ : ۳،۴)

"اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں
یا زمین کی، دیکھی ہوں یا ان دیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں
یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے
وسیلہ سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئیں۔"

(کلسیوں ۱ : ۱۶)

"سب پر یہ بات میں روشن کروں کہ جو سرِ مکتوم
یا بھید ازل سے سب چیزوں کے پیدا کرنے
والے خدا میں پوشیدہ رہا اس کا کیا انتظام
ہے۔"

(افسیوں ۳ : ۹)

۲- مُردوں کو زندہ کردینا

لوقا ۷ : ۱۳-۱۵

"جب (یسوع اور شاگرد) شہر کے پھاٹک کے نزدیک
پہنچے تو دیکھو ایک مُردے کو لوگ باہر لئے جاتے تھے
وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ بیوہ تھی۔ اور شہر
کے بہتیرے لوگ اس کے ساتھ تھے اسے دیکھ کر
خُداوند (مسیح) کو ترس آیا اور اس سے کہا مت رُو، پھر
اس نے پاس آکر جنازہ کو چھوا۔ اور جنازہ لے جانے
والے کھڑے ہو گئے۔ تب اس نے (مسیح) نے کہا: اے
جوان میں تجھ سے کہتا ہوں 'اُٹھ' (قُم) اور وہ مُردہ
اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا۔ اور اس نے اسے ماں کو
سونپ دیا۔"

یُوحنّا ۱۱ : ۴۳-۴۴ :

"اس نے بلند آواز سے پکارا کہ اے لعزر نکل آ! جو
مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نکل
آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا۔ یسوع
نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو!"

۳۔ دیّان یا منصف عالم

متی ۲۰ : ۳۱ ، ۳۲۔ ملاحظہ ہو:

"جب ابنِ آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے
اسکے ساتھ آئیں گے۔ تب وہ اپنے جلال کے تخت
پر بیٹھے گا، اور سب قومیں اسکے ساتھ جمع کی جائیں
گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا جیسے
چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔"

یوحنا ۵ : ۲۲ میں لکھا ہے:

"باپ کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا بلکہ اس نے عدالت
کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے۔"

۴۔ مسیح لائق پرستش ہے

یوحنا ۵ : ۲۳

"تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں جس طرح باپ کی عزت
کرتے ہیں جو بیٹے کی عزت نہیں کرتا وہ باپ کی جس
نے اسے بھیجا عزت نہیں کرتا۔"

یاد رہے کہ باپ کے ساتھ بیٹے کی عزت عبادت مردانِ خدا کے بیچ عہدِ عتیق
کے زمانوں میں بھی رائج تھی۔ مثلاً

"ڈرتے ڈرتے خداوند کی عبادت کرو کانپتے ہوئے
خوشی مناؤ۔ بیٹے کو چومو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ قہر میں
آئے اور تم راستہ میں ہلاک ہو جاؤ۔"

زبور ۲ : ۱۱، ۱۲۔ یہ حضرت داؤد نے فرمایا تھا

۵۔ مسیح غافر الذنوب والخطایا ہے یعنی گناہ بخش دیتا ہے

یہودی ہمیشہ یہ مانتے تھے کہ گناہوں کی معافی کا اختیار صرف خدا ہی کو ہے اور جب
اُنھوں نے مسیح کو ایک معجزہ کرتے وقت مفلوج کو یہ خطاب کرتے سُنا کہ:

"میرے بیٹے جا تیرے گناہ معاف ہوئے" (مرقس ۲ : ۵)

تو یہودی یہ سُنکر انگشت بدنداں رہ گئے، اور جب آپ کے اس عمل وسلوک سے

وہ نہایت ہی مضطرب اور پریشان ہو رہے تھے تو مسیح نے فرمایا (مرقس ۲: ۸۔۱۲) تم کیوں اپنے دلوں میں یہ باتیں سوچتے ہو؟ آسان کیا ہے؟ آیا مفلوج سے یہ کہنا کہ تیرے گُناہ معاف ہوئے، یا یہ کہنا کہ اُٹھ اور اپنی چارپائی اُٹھا کر چل پھر؟ لیکن اسلئے کہ تم جانو کہ ابنِ آدم کو زمین پر گُناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ آپ نے اس مفلُوج سے پھر کہا، مَیں تجھ سے کہتا ہوں اُٹھ! اپنی چارپائی اٹھا کر اپنے گھر چلا جا۔ اور وہ اُٹھا اور فوراً ہی چارپائی اُٹھا کر ان سب کے سامنے باہر نکل گیا۔ چنانچہ وہ سب حیران ہو گئے اور خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔

۶۔ مسیح حیات اَبدی بخشتے ہیں

یُوحنا ۱۰: ۲۷۔۲۸

”میری بھیڑیں میری آواز سنتی ہیں اور مَیں انھیں جانتا ہُوں
اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلتی ہیں اور مَیں انھیں ہمیشہ کی
زندگی بخشتا ہوں اور وہ اَبد تک کبھی ہلاک نہ ہوں گی۔“

۷۔ باپ کے مساوی ہے

یوحنا ۱۰: ۳۰ اور ۱۴: ۸۔۱۱

”مَیں اور باپ ایک ہیں“

اس نے کہا اے خداوند باپ کو ہمیں دکھا یہی ہمیں کافی ہے۔ یسوع نے کہا جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا۔ تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا۔ کیا تو یقین نہیں کرتا کہ مَیں

باپ میں ہوں۔ اور باپ مجھ میں ہے ... میرے کاموں ہی سے میرا یقین کرو۔

۸۔ سجود اور تعبّد کی منظوری دیدی

اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ یسوع نے اپنے بارے میں پرستش اور سجدہ کی منظوری دے رکھّی ہے جو کسی بھی بشر کے لیے جائز نہیں۔ یہ بات اس وقت واقع ہوئی جبکہ ایک جنم کے اندھے سے حضرت مسیح نے کہا:

”کیا تو خُدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے؟“

اُس نے جواب میں کہا:

”اے خداوند وہ کون ہے کہ مَیں اس پر ایمان لاؤں؟“

یسوع نے اُس سے کہا:

”تو نے تو اُسے دیکھا ہے اور جو تجھ سے باتیں کرتا ہے وہی ہے۔“

اس نے کہا:

”اے خداوند مَیں ایمان لاتا ہوں۔ اور اسے سجدہ کیا۔“

(یُوحنا ۹: ۳۵)

۹۔ مسیح کے حَواریوں اور شاگردوں کی گواہی

یہ گواہی ان لوگوں کی ہے جنھوں نے مسیح کی عظمت اور شان کو اعلانیہ طور پر دیکھا ہے۔ یہ ساری شہادتیں مکمل اور سارے شکوک سے پاک ہیں۔ مثال کے طور پر

کچھ ہی آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہے :

۱۔ توما کی گواہی

یوحنا ۲۰ : ۲۹ میں لکھا ہے : اس شاگرد (توما) نے مسیح کے جی اُٹھنے کے بعد جب تک اپنی انگلی پاس لا کر مسیح کی ہتھیلیوں کو نہیں دیکھا اور اپنے ہاتھ سے ان کی پسلی میں ہاتھ نہ ڈال کر دیکھ لیا یقین نہیں کیا۔ اور جب یقین ہو گیا تو پُکار اٹھا ،

" اے میرے خداوند ، اے میرے خدا ! "

۲۔ یُوحنّا کی گواہی

یوحنا : پہلا خط ۵ : ۲۰

" ہم اس میں جو حقیقی ہے یعنی اسکے بیٹے یسوع مسیح میں ہیں۔ حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے "

۳۔ پولسؔ کی گواہی

رومیوں ۹ : ۵

" جسم کے رُو سے مسیح بھی ان ہی میں سے ہوا جو سب کے اُوپر اور ابد تک خدائے محمود ہے "

(امین)

نہم

ثالوث اقدس کا عقیدہ

مسیحیت یہ ایمان رکھتی ہے کہ اللہ ایک ایسی زندہ شخصیت اور وجود ہے جس کا جسم رُوحانی ہے مادّی نہیں ہے کہ جس کو دیکھا جانا یا جس کا چھوا جانا ممکن ہو۔ یا جو حواس سے معلوم کیا جا سکے اللہ تعالیٰ رُوح ہے جیسا کہ مسیح نے خود بتا دیا ہے :

" خدا رُوح ہے اور ضرور ہے کہ اسکے پرستار
رُوح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں "
(یُوحنّا ۴ : ۲۴)

ایک جگہ خدا کو رُوحوں کا باپ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی صورت اور شبیہہ پر اس کو پیدا کیا۔

" اللہ نے کہا آؤ۔ انسان کو ہم اپنی صورت اور شبیہہ پر بنائیں "
پیدائش ۱ : ۲۶

اور یہی اللہ واحد ہے اور تین اقانیم باپ ، بیٹا
رُوح القدس کا حامل ہے۔

ایمان کے اس رکن۔ یعنی عقیدہ ثالوث پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔ اب ہم ایک اہم اور بڑے سر مکتوم سے، یعنی ایسے راز یا بھید سے

دوچار ہو رہے ہیں جو زندگی اور وجُود کے بے حد گہرے بھیدوں میں سے ایک ہے۔
مقدس آگستین نے بھی اپنے زمانہ میں اور اسکے بعد ایک عظیم مصلح کالون نے بھی یہی مانا ہے لاطینی زبان گو کہ مفردات اور لغات کے اور حُسن و جمال کے معاملات کے بیان کرنے میں بڑی مالدار ہے پھر بھی وہ اسی بھید کی گہرائی کی تعبیر میں پورے طور پر لاچار ہے۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ مسیحیوں نے وحدانیت اور ثالوث کا عقیدہ کسی انسان سے نہیں سیکھا تھا نہ یہ کسی انسانی دماغ کی پیداوار ہے بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جسکا اللہ کی طرف سے اعلان ہُوا ہے کہ مقدس بائبل میں شروع سے آخر تک ملتا ہے۔ اس موضوع پر کچھ اور لکھنے سے پہلے بہتر ہے کہ ہم وہ سب جمع کریں جو کلیسیا یا مسیحی جماعت کا مسیح کے بارے میں تاریخی حیثیت سے عقیدہ رہا ہے جو کہ بعد میں ایک حرفِ آخر کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود بھی ہے۔

حواریوں، رسولوں اور شاگردانِ مسیح کے زمانہ میں حتیٰ کہ دوسری مسیحی صدی تک بھی مسیحیوں نے کوئی بندھا ٹکا مسیحی عقیدہ تشکیل نہیں کیا تھا بلکہ اس کی طرف نہ کبھی دھیان دیا اور نہ سوچا تھا کیونکہ وہ اس بات سے مطمئن تھے کہ سارے لوگ انہی باتوں اور تعلیموں پر عامل و کاربند ہیں جو بائبل کے صحائف مقدسہ میں مرقوم ہیں۔

اگر کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو حواریوں، رسولوں یا ان کے شاگردانِ رشید کی طرف رجُوع کرتے یا ان کی طرف جو ان کے جانشین تھے۔ لیکن بعد کے دَور میں جب کچھ غلط سلط اور غیر مسلمہ تعلیم رَواج پانے لگی۔ تو اس نے اختلافات کو جنم دینا شروع کیا۔

سب سے اہم نقطہ جس پر اختلافات نے سر اٹھایا تھا وہ تھا "حیثیتِ مسیح" کا، یا "ذاتِ الوہیت میں سے صدورِ رُوح القدس" کا مسئلہ۔

ایسی حالت میں کلیسیا یا اُمّتِ مسیحی نے ان مباحث پر اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا۔

یہ اظہار اس وقت تو خاص طور پر کیا گیا جب سبالیوس اور آریوس کی آرا بہت انتشار پکڑنے لگیں کیونکہ جمہُور کے عقیدہ کے خلاف سبالیوس نے یہ تعلیم دی کہ اللہ کی وحدانیت میں کوئی ثالوث نہیں ہے اور رہے ایسے الفاظ جیسے باپ، بیٹے، رُوح القدس وغیرہ تو یہ سب اللہ کے مختلف مظاہرات اور تجلیات ہیں۔

آریوس نے یہ مانا کہ:

"باپ اور بیٹے اور رُوح القدس میں کسی قسم کی مساوات یا برابری نہیں ہے کیونکہ بیٹا اور رُوح القدس دونوں مخلوق ہیں اور باپ سے کمتر ہیں، یہ بات دوسری ہے کہ باپ (خدا) نے ان دونوں (یعنی بیٹا) اور رُوح القدس کو الٰہی ماہیتوں اور طبیعتوں کے مُتشابہ بنا دیا ہے۔"

چونکہ یہ خیالات بالا بائبل کے صحائف مقدسہ کے نصوص اور تعلیم سے میل نہیں کھاتے، اس لیے کلیسیا جامعہ نے ان کا ردّ کیا۔ کیوں کہ وہاں یہ صاف بیان ہے کہ:

کبھی کوئی ایسا زمانہ نہیں تھا جب کہ ثالوث میں سے

کوئی فرد معدوم رہا ہو اور قائم بالذات نہ رہا ہو۔

زبورِ شریف (۱۱۰ : ۱) میں آیا ہے کہ:

"یہوواہ (اللہ) ازل سے نے میرے خداوند سے
کہا تو میرے دہنے ہاتھ بیٹھ جب تک کہ میں
تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں تلے کی چوکی نہ
کر دوں۔"

اسی طرح زبور (۱۶ : ۸) میں ہے:

"میں نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا
ہے چوں کہ وہ میرے دہنے ہاتھ ہے اس لیے
مجھے جنبش نہ ہوگی۔"

یہ بیان بیٹے کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا۔ مقابلہ کیجئے کتاب اعمال ۲ : ۲۵ - ۲۸۔

جہاں یہی بیان بیٹے کے حق میں دہرایا گیا ہے۔

"میں خدا کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔
کیونکہ وہ میری دہنی طرف ہے تاکہ مجھے جنبش نہ
نہ ہو۔ اسی سبب سے میرا دل خوش ہوا اور
زبان شاد بلکہ میرا جسم بھی اُمید میں بسا رہے
گا۔ اسلئے کہ تو میری جان کو عالم ارواح میں
نہ چھوڑے گا۔ اور نہ اپنے مقدس کے سڑنے

نوبت پہنچنے دے گا۔"

مقدس اتھاناسیس ان عظیم لوگوں میں ہے جنھوں نے کلیسیا کی طرف سے ان بدعتوں اور غلط تعلیمات کے خلاف مدافعانہ محاذ قائم کیا اور ایک عقیدہ کو تشکیل دی جو اتھاناسیس کا عقیدہ کہلایا جس کے خاص اجزاء یہ ہیں:

۱۔ طالب نجات، ہر چیز سے پہلے مسیحی کلیسیا کے الایمان الجامع کا یقین کرلے!

۲۔ وہ عالمگیر ایمان جامع یہ ہے کہ — ثالوث میں خدا واحد کی پرستش اور توحید میں ثالوث کی پرستش کی جائے۔

۳۔ نہ اقانیم مخلوط کیے جائیں، نہ جوہر میں فصل پیدا کی جائے۔

۴۔ باپ کا ایک اقنوم (شخص) ہے، بیٹے کا ایک اقنوم ہے۔ لیکن باپ، بیٹا، روح القدس لاہوت واحد ہے یعنی وہ الوہیت میں واحد مجد میں مساوی اور ازلی جلال و بزرگی میں ساتھی ہیں۔

۵۔ جیسا باپ ہے۔ ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے۔

۶۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق، روح القدس غیر مخلوق ہے۔ لیکن تین غیر مخلوق ہستیاں نہیں بلکہ واحد غیر مخلوق ہیں۔

۷۔ باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود، روح القدس غیر محدود۔ لیکن تین لامحدود ہستیاں نہیں ہیں بلکہ واحد لامحدود ہے۔

۸۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی، روح القدس ازلی پھر بھی تین سرمدی وازلی ہستیاں نہیں بلکہ واحد ازلی ہستی ہے۔

۹۔ باپ نے ہر شیئی کو اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے، بیٹا بھی ضابط الکل ہے اور روح القدس بھی منتظم الکل ہے۔ لیکن تین ضابط و منتظم نہیں بلکہ ایک ہی ضابط الکل ہے۔

۱۰۔ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے، روح القدس خدا ہے لیکن تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔

۱۱۔ باپ آقا ہے۔ بیٹا آقا ہے، روح القدس آقا ہے لیکن تین آقا یا ارباب نہیں بلکہ رب واحد ہے۔

۱۲۔ مسیحی سچائی ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم یہ اعتراف نہ کریں کہ ہر اقنوم بذاتہ خدا اور رب ہے دین جامع بھی ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم تین

خداؤں اور تین ارباب کو مانیں۔

۱۳۔ ہمارا تو ایک ہی باپ ہے، تین باپ نہیں ایک بیٹا ہے، تین بیٹے نہیں، ایک ہی روح القدس ہے، تین روح القدس نہیں۔

۱۴۔ ان تینوں ثالوث میں ایک بھی ایسا نہیں جو ایک دوسرے سے بڑا ہے یا چھوٹا ہے بلکہ سارے اقانیم ساتھ ساتھ ازلی ہیں مساوی ہیں اور برابر ہیں۔

۱۵۔ چنانچہ اب تک جو کچھ کہا گیا اس سے یہ مستنبط ہے کہ ثالوث میں وحدانیت کی اور وحدانیت میں ثالوث کی عبادت کی جائے۔

۱۶۔ سچا اور سیدھا ایمان مسیحی یہ ہے کہ یسوع مسیح باپ کے جوہر سے، قبل الدہور مولود ہے اور خدا ہے۔ وہ ماں کے جوہر سے انسان ہے اور ایک عصر و دہر یا زمانہ میں مولود ہے۔

۱۷۔ گو کہ یسوع مسیح الٰہ اور انسان ہے پھر بھی وہ ایک ہی مسیح ہے دو نہیں۔ مسیح جسم و جسد میں الوہیت کو تبدیل کر کے انسان نہیں بنا۔ بلکہ انسانیت اور اور الوہیت کے اتحاد و امتزاج سے انسان ہو گیا۔

اب یہاں کوئی بھی یہ پُوچھ سکتا ہے کہ متذکرہ بالا حقیقت کی کیا اساس ہے اس کی تائید کن چیزوں سے ہوتی ہے ؟

اس کی صحت و ثبات کے لیے کیا بُرہان ہے ؟

وہ کیا عوامل تھے جن کی وجہ سے نفوذ و استقرار کے اس درجہ تک یہ پہنچی ؟

جواب یہ ہے کہ اس کی اساس واحد صرف کتبِ مُقدّسہ ہیں۔ کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی بڑا اور مفکرِ اعظم ہی کیوں نہ بن جائے یہ اسکے بس اور حیطہ اختیار میں نہیں ہے کہ ذاتِ الٰہی کی طبیعت اور کنہ کو پا سکے تا وقتیکہ اللہ خود اس پر اپنی ذات کو منکشف نہ کرلے اور اسے معرفت و اعلان نہ عطا کرے۔ کتابِ مُقدّس سے الگ ہٹ کر جو کچھ ثالوث کے بارے میں ملتا ہے، خواہ وہ فلسفیانہ تفکّر سے حاصل ہے یا منطقی دلائل سے، وہ سب کا سب تشریح و قیاسی توضیحات ہے۔

اس میں تو گنجائشِ شبہ نہیں کہ کتابِ مقدّس کے صحائف نے اللہ کی ذات و طبیعت میں وحدانیت کی ہی تعلیم دی ہے اس موقف پر نہ کسی مسیحی کو اختلاف ہے نہ بحث۔ لیکن کیا وہ وحدانیت مجرّد اور بسیط ہے؟ نہیں! بلکہ وہ وحدانیت کاملہ وشاملہ ہے اور اسی بات کی تعلیم سے کتابِ مقدّس بھری ہے۔ عہدِ عتیق بھی اور عہدِ جدید بھی۔ یہی وحدانیت کاملہ و شاملہ ہے جو ثالوث اقدس کی طبیعت اور ذات کو کما حقہٗ، منکشف کرتی ہے۔

اور اسی طرح کی وحدانیت پر مسیحی اعتقاد کی بنیاد ہے۔ یہی مسیحیوں کا ایمان ہے!

صحائف مقدسہ کے ماہرین نے اسی کو مانا ہے۔ اور اسی کی کلیسائی قانون

میں صورت گری کی گئی ہے۔

ان کلیسائی قانون میں سب سے اہم قانون ناموس الایمان النیقادی، ہے جس کا متن یہ ہے :

"میں ایمان رکھتا ہُوں۔ ایک خدا باپ پر جو سب چیز پر قادر ہے، جو خالق ارض و سما اور ہر مرئی کا خالق ہے۔ اور ایک خداوند یسوعؔ مسیح پر جو خدا کا ابن وحید ہے اور کل دہور سے پیشتر ہی وہ باپ سے مولود ہے۔ الٰہ میں سے الٰہ، نور سے نُور، سچّے خدا سے سچّا خدا، مولود غیر مخلوق۔ باپ کے ساتھ ایک ہی جوہر والا۔ اسی سے ہر شئے موجُود ہوئی جو ہر بشر کے اور ہماری نجات کے لیے آسمان سے نیچے آیا اور رُوح القدس سے جسم اختیار کیا۔ مریمؔ عذرا کے بطن سے پیدا ہوا اور انسان بن گیا اور پنطیس پیلاطوسؔ کے عہدِ حکومت میں صلیب پر چڑھایا گیا دُکھ اُٹھایا قبر میں دفنایا گیا، تیسرے دن زندہ اُٹھ کھڑا ہُوا، آسمان پر چڑھ گیا اور اب وہ باپ کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ عنقریب ہی وہ زندوں اور مُردوں کے انصاف

کرنے کو جلال میں آئے گا اور جس کی بادشاہی
کی کوئی انتہا نہیں ہے میں ایمان رکھتا
ہوں۔ روح القدس پر جو آقا اور زندگی دینے
والا ہے جو باپ اور بیٹے سے صادر و منبثق
ہے، جس نے انبیاء کی معرفت کلام کیا۔ میں
ایک رسولی کلیسائے واحد و جامع پر ایمان
رکھتا ہوں اور گناہوں کی مغفرت کے لیے ایک
ہی اعتماد یا بپتسمہ کو مانتا ہوں اور مردوں کی
قیامت کا اور آنے والے دہر و آخرت
کی زندگی کا منتظر ہوں۔ آمین!

یہ بات سچ ہے اور کتاب مقدس نے کہا کہ:

"خداوند ہمارا خدا۔ ایک خدا ہے" یا یہ کہ "میں
خداوند ہوں۔ یہ میرا نام اور میری شان ہے
جو اور کسی کو میں نہیں دوں گا۔"

لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ کتابِ مقدس میں بے شمار ایسی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کی ذات میں وحدانیت جامعہ و شاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کئی صفات سے متصف ہے۔ جیسے سمع۔ بصر۔ کلام۔ علم۔ ارادہ اور محبت وغیرہ کیونکہ اس ذات باری کا اپنی مخلوقات سے ربط و رشتہ ہے جسے یہ صفتیں ظاہر کرتی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے

کہ یہ صفتیں کبھی بھی ازلیت میں معطل نہیں تھیں یعنی اس کائنات کی تخلیق سے قبل بھی یہ عامل تھیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا اپنی صفتوں کا استعمال کرتا رہا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب قبل کائنات کوئی اور شخصیت بھی ہو۔ جس کے مابین یہ کام میں لائی جاتی رہی ہوں۔ اب دیکھیے یہیں سے وحدانیت میں اقانیم کا وجود لازم آتا ہے۔

اگر کوئی مسیحیت کے عقیدہ پر گہرائی سے نظر کرے تو یہ دیکھے گا کہ وہاں بھی اقانیم ثلاثہ کا وجود ہے۔ اور باپ۔ بیٹے روح القدس میں سے ہر اقنوم یا شخص کو الٰہی القاب و خطاب حاصل ہیں اور سب قابلِ تعظیم اور لائق عبادت و تقاہت ہیں، کتاب مقدس سے بیٹے کی الوہیت اس طرح واضح ہے جیسے باپ کی الوہیت جیساکہ خود مسیح نے فرمایا:

"تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں جس طرح باپ کی کرتے
ہیں۔" (یوحنا ۵: ۲۳)

روح القدس کی الوہیت ——— بھی کتابِ مقدس سے ثابت ہے بالکل جس طرح باپ اور بیٹے کی الوہیت ثابت ہے۔ خود مسیح نے فرمایا ہے:

"خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کی پرستار
روح اور سچائی سے پرستش کریں۔"
(یوحنا ۴: ۲۴)

مسیحی کلمہ اور عقیدے میں بھی ثالوث (باپ بیٹا روح القدس) کے نام ہم دیکھتے ہیں جو کہ جیسا کہ بعض کا خیال ہے، اللہ اور اس کی مخلوقات

کے درمیان کسی نسبت مختلفہ سے کنایہ نہیں ہے۔ یعنی ویسا امتیاز نہیں ہے
خالق و مخلوق کے رشتہ کا جیسا خالق، حافظ، منعم وغیرہ لفظوں سے
ہوتا ہے۔

باپ، بیٹا اور روحُ القدس، ہر ایک اپنی ذات کے بارے میں
لفظ 'انا' یعنی مَیں کا استعمال کرتے ہیں۔

ہر ایک ان میں سے دوسرے کو جب خطاب کرتا ہے تو اَنتَ یعنی
تُو سے خطاب کرتا ہے اور اپنے لیے صیغۂ غائب میں ھو یا وہ سے
خطاب کرتا ہے۔

باپ بیٹے سے محبّت کرتا ہے، بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے
اور روحُ القدس بیٹے کی گواہی دیتا اور تمجید کرتا
ہے۔

ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی لوگ ساری دنیا میں اسی
عقیدہ، یعنی عقیدہ۔
الایمان باللہ الواحد و الثالوث
الاقدس۔
کو لے کر پھیل گئے۔

کچھ حضرات یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تعلیم ہمارے ادراک سے پرے ہے!
لیکن یہ کہہ دینا مسیحی عقیدہ کی تفسیر و توضیح تو نہیں ہوا، جس طرح
بہت سی سائنس کی حقیقتیں ہماری ادراک سے باہر ہوتے ہوئے بھی، جانی اور

مانی جاتی ہے اور احساس ہوتا ہے کیونکہ وہ چیزیں اور حقیقتیں اس
طرح پر خلق ہی نہیں کی گئی ہیں جو ممکن و لاممکن کا ان اُمور سے متعلق
معیار بن سکیں جو ہمارے حواس، فہم و ادراک سے باہر ہیں!

وحدانیت اقانیم

بائبل کے صحائف مقدّسہ میں جو کہ اللہ کی طرف سے وحی کردہ ہیں یہ حقائق
ملتے ہیں:

۱۔ اقانیم کی الُوھیّت

باپ کے بارے میں یہ ہے کہ اللہ ہمارا باپ ہے۔

(۲ تسلونیکیوں : ۱۶)

"اب ہمارا خُداوند یسوع مسیح خود، اور ہمارا
باپ خُدا جس نے ہم سے محبت رکھی
اور فضل سے ابدی تسلّی اور اُمید بخشی...!"

بیٹے کے بارے میں یہ بیان ہے کہ، وہ ازلی خدا ہے مگر بیٹے کی بابت
کہتا ہے کہ،

"اے خدا تیرا تخت ابدالآباد رہے گا اور
تیری بادشاہی کا عصا راستی کا عصا

ہے۔" (عبرانیوں ۱ : ۸)

روحُ القدس کی بابت کہا گیا ہے:

" اے حننیاہ، کیوں شیطان نے تیرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو رُوح القدس سے جھُوٹ بولے ... تو آدمیوں سے نہیں بلکہ خدا سے جھُوٹ بولا۔"

(اعمال ۵ : ۳-۵)

۲- ازلیت اقانیم

باپ ازلی ہے۔

" وہی زندہ خدا ہے اور ہمیشہ قایم ہے۔"

(دانی ایل ۶ : ۲۶)

بیٹا ازلی ہے۔

" خداوند۔ خدا جو ہے۔ اور جو تھا۔ اور آنے والا ہے۔"

یعنی قادرِ مطلق، فرماتا ہے کہ:

" مَیں الف اور یا ہوں "

(مکاشفہ ۱ : ۸)

رُوح القدس ازلی ہے۔

تو مسیح کا خُون جس نے اپنے آپ کو ازلی رُوح

کے وسیلہ سے خدا کے سامنے بے عیب قُربان کر دیا۔

(عبرانیوں ۹ : ۱۴)

۳- ربُوبیت اقانیم

باپ کے بارے میں:

" اسی گھڑی مسیح رُوح کی خوشی میں بھر گیا"

اور کہنے لگا:

" اے باپ زمین و آسمان کے خُداوند میں تیری حمد کرتا ہوں"

(اعمال ۱۰ : ۲۶)

بیٹے کے بارے میں جو کلام اس نے بنی اسرائیل کے پاس بھیجا۔ جب کہ یسوع مسیح کی معرفت جو سب کا خُداوند ہے، صلح کی خوشخبری دی ہے۔

(اعمال ۱۰ : ۲۶)

" رُوح القدس کے بارے میں:

" اور وہ خُداوند رُوح ہے اور جہاں کہیں خداوند کا رُوح ہے وہاں آزادی ہے۔" (۲ کرنتھیوں ۳ : ۱۷)

۴- حضُوری اقانیم۔

باپ ـــــ " سب کا خُدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر، اور سب کے درمیان اور سب کے

اندر ہے۔" (افسیوں ۴ : ۶)

بیٹا " کیونکہ جہاں۔ دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں
وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں۔"

(متی ۱۸ : ۲۰)

رُوح القدس " مَیں تیری رُوح سے بچ کر کہاں جاؤں
یا تیری حضوری سے کدھر بھاگوں ؟ ___ ؟

(زبور ۱۳۹ : ۷)

۵۔ سجدہ کا مستحق

باپ ۔" وہ وقت آتا ہے بلکہ اب ہی ہے کہ سچے پرستار
باپ کی پرستش رُوح اور سچائی سے کریں گے۔"

(یوحنا ۴ : ۲۵)

بیٹا " تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے۔ خواہ
آسمانیوں کا ہو۔ خواہ زمینیوں کا۔ خواہ ان کا جو زمین
کے نیچے ہیں .....

(فلپیوں ۲ : ۱۰۔ ۱۱)

رُوح القدس " رُوح بھی ہماری کمزوری میں مدد کرتا ہے ۔
کیوں کہ جس طور سے ہم کو دعا کرنا چاہیئے ہم
نہیں جانتے ۔ مگر رُوح خود ایسی آہیں بھر بھر کر
ہمارے شفاعت کرتا ہے ۔ جن کا بیان نہیں ہوسکتا۔" (رومیوں ۸ : ۲۶)

۶۔ صفت حق۔

باپ حق ہے ۔ ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ
خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے
بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا ۱۷ : ۳)

بیٹا حق ہے۔ یسوع نے اس سے کہا :
"راہ اور حق اور زندگی میں ہوں کوئی میرے وسیلہ کے
بغیر باپ کے پاس نہیں آتا ۔"

(یوحنا ۱۴ : ۶)

رُوح القدس حق ہے۔
" اور مَیں باپ سے درخواست کروں گا۔ تو وہ تمہیں
دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ
رہے۔ یعنی سچائی کا رُوح ۔"

(یوحنا ۱۴ : ۱۶)

۷۔ صفت محبت

باپ محبت ہے۔
" باپ تو آپ ہی تم کو عزیز رکھتا ہے کیوں کہ تم نے
مجھ کو عزیز رکھا ہے اور ایمان لائے ہو کہ مَیں
باپ کی طرف سے نکلا ہوں ۔"

(یوحنا ۱۶ : ۲۷)

بیٹا بھی عزیز رکھتا ہے۔

"جو کچھ میں تم کو حکم دیتا ہوں۔ اگر تم اُسے کرو تو
میرے دوست ہو ...... تمہیں میں نے دوست کہا...."

(یوحنا ۱۵: ۱۴)

رُوح القدس بھی عزیز رکھتا ہے۔

"خدا نے ہمیں دہشت کی رُوح نہیں بلکہ قدرت و
محبّت اور تربیت کی رُوح دی ہے۔"

(۲۔تیمتھیس ۱: ۷)

۸۔ قُدّوسیت

باپ قدوس ہے۔

"اے قدوس باپ اپنے اس نام کے وسیلے سے
جو تو نے مجھے بخشا ہے ان کی حفاظت کر تاکہ
وہ ہماری طرح ایک ہوں۔"

(یوحنا ۱۷: ۱۱)

بیٹا قدوس ہے۔

"فرشتہ نے جواب میں مریم نے کہا کہ رُوح القدس
تجھ پر نازل ہوگا اور خدائے تعالیٰ کی قدرت تجھ پر
سایہ ڈالے گی اور اس سبب سے وہ مولود
مُقدّس خدا کا بیٹا کہلائے گا۔" (لوقا ۱: ۲۵)

رُوح القدس قدوس ہے۔

"خدا کے مقدس رُوح کو رنجیدہ نہ کرو جس سے
تم پر مخلصی کے دن کے لیے مہر ہوئی۔"

(افسیوں ۴: ۳)

دھم

اعتراضات

شاید کوئی مسیح کی الوہیت پر اعتراض کردے اور تائید میں مسیح کا یہ قول شریف پیش کردے کہ :

"میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا ...... بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں" (یوحنا ۵ : ۳۰)

یا یوحنا ۱۴ : ۲۸ کی یہ آیت کہ :

"باپ مجھ سے بڑا ہے"

تو ہم کہیں گے کہ یہ بیانات مسیح کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے تالوث اقدس میں باپ کی طرف سے نسبت ہونے کے اعتبار سے۔ کیوں کہ انسان کی فدا ر اور چھٹکارے کے لیے یہ لازم تھا کہ اللہ کا اقنوم ثانی جسد انسانی اختیار کرلے اور اپنے آپ کو کفارہ میں پیش کرکے الٰہی مرضی پوری کردے!

جب الٰہی خدمت و کام کو مسیح نے بشر کی طرف سے مکمل کرلیا تو آسمان پر صعود کیا اور خدا کے دہنے ہاتھ اعلیٰ ترین عظمت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اللہ نے اسے ہر طرح کی حکومت اور اختیار اور قدرت اور ریاست دی اور ہر ایک نام سے بہت بلند کیا۔ اس جہان میں بھی اور آنے والے جہان میں بھی، اور سب کچھ اسکے پاؤں تلے

کردیا اور اس کو سب چیزوں کا سردار بناکر کلیسیا کو دے دیا جو کہ اس کا بدن ہے اور اسی کی معموری ہے جو ہر طرح سے سب کا معمور کرنے والا ہے۔

رسولوں کی تعلیم ہم پر واضح کرتی ہے کہ فدار کے عمل کے لئے منجی کو ایک بشر ہونا لازمی تھا تاکہ وہ ان کی طبیعت و فطرت میں حصہ دار اور شریک بن سکے جن کو بچانے کے لیے آیا تھا۔ یہ بھی ضروری تھا کہ وہ خدا بھی ہو تاکہ اقتدار اعلیٰ کا بھی وہ منجی حامل ہو۔ گناہ پر اس کا غلبہ ہو اور جو ایمان لائیں ان سب کو گناہ کی گرفت و اختیار سے آزاد کردے۔

کتاب مقدس کا مطالعہ کرنے والے کو منجی کا سایہ ہر آیت میں کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک نظر آتا ہے۔ کبھی تو وہ ایک انسان کی شکل میں نظر میں آتا ہے جو شریعت کے ماتحت عورت سے پیدا ہوا ہے تاکہ جو لوگ شریعت کے بوجھ تلے کراہ رہے ہیں انھیں آرام و چھٹکارا دے کر لے پاک بننے کا استحقاق دیدے گلتیوں ۴ : ۴ اور کبھی وہ منجی خدائے بزرگ و برتر کی صورت میں نظر آتا ہے تاکہ عابدوں کا مرکز ایمان او رنقطۂ عبادت بن جائے۔

مسیح کی ایسی ہی عجیب و غریب شخصیت ہے جو الٰہ بھی ہے انسان بھی ہے اور جس نے قبل تجسد انبیاء کرام کی رؤیتوں کو ہر دور میں معموری بخشی۔ یسعیاہ نبی نے، اللہ کی عظیم ترین آیت یا نشانی کے طور پر اس کے

انسانی رُوپ میں جلوہ گر ہونے کی بشارت دی تھی ۔ (۷ : ۱۴) یعنی
خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور
بیٹا ہوگا ، اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی ۔

جس کا ترجمہ ہے ۔ " خدا ہمارے ساتھ " (متی ۱ : ۲۲)

اسی نبی نے اس منجی کی یہ صفت بتائی ہے کہ :

" . . . اس کا نام عجیب خدائے قادر ابدیت کا باپ سلامتی
کا شہزادہ ہوگا ۔ " یسعیاہ ۹ : ۶)

رُوح القدس کی الوہیت پر اعتراض کیا گیا ہے ۔

ہم کہتے ہیں کہ کچھ لوگ بے شک رُوح القدس کو اقنوم ثالوث نہیں مانتے بلکہ اسے خدا کی قدرت و قوت سے نامزد کرتے ہیں جو کائنات میں سرگرم عمل اور قلوب انسانی میں تاثیر کرتی رہتی ہے ۔

لیکن بائبل کے متون سے اور کتاب مُقدس کے نصوص سے یہ عیاں ہے کہ رُوح القدس بھی ایک اقنوم یا شخص ہے اور وہ محض اللہ کی قوت فعالہ ہی نہیں ہے جو ہم میں کام کرتی رہتی ہے بلکہ اس میں شخصیت ہے کیونکہ اگر صرف قوت ہی ہوتی تو اس کا حامل تقدس ہونا حق و حکمت یا ارادہ و مشیئت والی ہونا کیوں کر کہنا جائز ہوتا ؟ نہ اسکے بارے میں یہ کہا جانا جائز ہوتا کہ وہ متکلم ہے ، اور اس سے بھی کلام کیا جا سکتا ہے !

بائبل میں مرقوم ہے کہ اعتماد (بپتسمہ) کے وقت رُوح القدس مجسّم طور پر مسیح پر آسمان سے یہ کہتی سُنائی دی تھی کہ :

" تو میرا پیارا بیٹا ہے ، تجھ سے میں خوش ہوں ۔ "
(لوقا ۳ : ۲۲)

یہ بات بھی تین اقانیم کے وجود پر دلالت کرتی ہے ۔ ایک رُوح القدس کے آسمان سے نزول پر دوسرے کر باپ نے آسمان سے کلام کیا ۔

تیسرے بیٹا جو زمین پر تھا ۔

رسُولوں کے کلمات ۔ برکات بھی اسی قبیل سے ہے ۔

یعنی ! خداوند یسوع مسیح کا فضل ، خدا باپ کی محبت اور رُوح القدس کی رفاقت تم سب کے ساتھ رہے ۔

اور رسُول کا یہ قول کہ :

" ہم مسیح کے وسیلہ سے ایک واحد رُوح میں خدا
کے پاس رسائی رکھتے ہیں "

پھر مسیح کا وہ وعدہ اپنے شاگردوں سے کہ تمہارے پاس مددگار بھیجوں گا ۔ یہ سارے بیانات تین شخصیات یا اقانیم پر گواہ ہیں ۔

رُوح القدس صرف قوت الٰہیہ ہے اس دعوے کی عدم صداقت ہر قاری کتاب مقدس پر عیاں ہے ۔

مثلاً پہلا کرنتھیوں ۱۲ : ۴ - ۱۱ ایک مثال ہے کہ :

رُوح القدس کے ذریعہ کلیسا کو کئی نعمتیں میسّر ہوں گی جن
میں سے ایک نعمت معجزہ کرنے کی قوت بھی ہے تو اس کا
مطلب یہ ہوگا کہ رُوح بھی فقط ایک انعام والی چیز ہے !

اسکے علاوہ اور بھی عبارتیں ہیں جہاں رُوح القدس ایک شخصیت نظر آتا ہے نہ کہ محض ایک قوت، یا عطیہ و نعمت؟ دیکھئے — لوقا ۴: ۱۴:

"پھر یسوع رُوح کی قوت سے بھرا ہوا گلیل کو لوٹا"

اعمال ۱۰: ۳۸

"خدا نے یسوع ناصری کو رُوح القدس اور قدرت سے مسح کیا"

رومیوں ۱۵: ۱۳

"تاکہ رُوح القدس کی قدرت سے تمہاری امید زیادہ ہوجاتی جائے"

۱۵: ۱۹ ..... رُوح القدس کی قدرت سے ...

اب اگر معترض کا خیال (یعنی یہ کہ رُوح القدس خدا کی ایک قوت کا نام ہے) صحیح مانا جائے تو ان آیات کی تفسیر یوں ہوگی۔

پھر یسوع قوت کی قوت سے بھرا ہوا یا قدوس قوت کی قوت

وغیرہ، وغیرہ۔

کیا اس طرح کی تفسیر کوئی معقول شخص پسند کرے گا؟

اقانیم ثلثہ پر اعتراض

خدائے واحد کی ذات میں تین اقانیم یا شخصیات ہیں۔ اس پر تمہاری کیا دلیل ہے؟

"یہ اعتراض اکثر کیا جاتا ہے۔"

جواب میں ہم کہیں گے کہ اللہ کی وحدانیت تو کتاب مقدس میں سنہری لفظوں میں بڑے اُجلے طور پر نظر آتی ہی ہے۔ لیکن یہ اقرار کر لینا کہ اللہ جیسا کوئی اور ہے ہی نہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ جوہرِ واحد تین شخصیات ہوں!

آیئے کتابِ مُقدس کو ہی حکم بنائیں اور اسی کے متون ونصوص سے استدلال پکڑیں۔

توریت کے صحائف میں لفظ الوھیم بہت بار استعمال ہوا ہے۔

صیغۂ جمع میں۔ اور ضمیر جمع میں واحد میں نہیں۔

(دیکھئے استثنار ۶: ۴)

"سُن اے اسرائیل۔ خداوند ہمارا خدا (الوھیم الھتنا)
ایک ہی خداوند ہے"

اس آیت میں قصد تو یہ ہے کہ وحدانیت کی تعلیم دی جائے اور اس کا بیان ہو لیکن اللہ جمع میں آیا ہے۔ یعنی الوَہ کی جمع۔ الوہیم، اور بھی بہت سی آیات ہیں جہاں خدا کا نام جمع میں آیا ہے۔

پیدائش ۱: ۲۶

"پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں۔

۳: ۲۲ دیکھو انسان نیک وبد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا۔

۱۱: ۷ آؤ ہم وہاں جاکر ان کی زبان میں اختلاف ڈالیں۔

یسعیاہ ۶: ۸ "میں کس کو بھیجوں اور ہماری طرف سے کون جائے گا؟"

کوئی شخص اس موقع پر یہ کہہ سکتا ہے کہ خُدا کا مقصد یہاں خود کو صاحبِ تعظیم وجلالت کے طور پر پیش کرنا ہے جیسا کہ بادشاہ لوگ کیا کرتے ہیں اور اپنے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں لیکن پیدائش ۳ : ۲۲

"انسان ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا"

اس اعتراض کو رد کرتا ہے کیونکہ ثالوث کا بھید ہماری سمجھ سے باہر ہے پھر بھی اس کو محض اسلئے رفض ورد کرنا کہ ہماری محدود سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔

بہت سے الہامی اور الٰہی اعلانات اور مظاہر، وظہورات ہیں جن کا کماحقہٗ ادراک ہماری استطاعت واستعداد سے باہر ہے۔

مثلاً باری تعالیٰ کا وجُود بالذات اور اس کا وجود ازلی، یا اس کا ہر شئے کے لیے علّت اولیٰ ہونا۔

نیز ابد تک ازل سے لے کر اور ہر زمانہ میں اللہ کا ہمہ جا حاضر و موجُود ہونا اور ہر چیز کا عالم ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

ہم یہ پہلے ہی کہہ آئے ہیں کہ ثالوث کی بات، گو کہ ہماری سمجھ، اور ادراک سے ماوراء ہے۔ پھر بھی وحدانیت کے منافی نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ ہم اسکے ردّ کرنے پر مجبُور ہوُں، نہ اس میں کوئی ایسی بات ہے جو ہمارے، دین وایمان کو محال بناتی ہے کیوں کہ اس میں تین خداؤں کا وجود ہرگز مُراد نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ تو کفُر ہے!

یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ عقیدۂ ثالوث مسیحی مذہب میں کیا کوئی خاص

فائدہ دیتا ہے؟

ہاں!

اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم دیگر اہم الٰہی تعلیمات کی اس کو اساس بناکر توضیح کرسکتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ عقیدۂ ثالوث شان الوہیت کو بلند کرتی اور الٰہی کمالات کی وضاحت کرتی ہے۔ ثالوث کے بغیر وحدانیت الٰہی شان الوہیت وکمالات الٰہیہ کو محدُود بھی کردیتی ہے۔ محصور بھی اور ذات باری کو سعادت ومحبّت کے ہر موضوع سے خالی کردیتی ہے، کیوں کہ ہم اقانیم میں باہمی محبّت پاتے ہیں اور محبت اس کی الوہیت کو ہر طرح کی ازلی خوشی اور سعادت کے تمام مقتضیات سے معمور کرتی ہے۔

۲۔ ثالوث ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے اللہ خود کو اپنی مخلوقات پر ظاہر کرتا ہے۔

باپ، بیٹا اور روُح القدس ہر ایک کا ایک ہی جوہر ہے۔ بیٹا ہی باپ کے بارے میں معرفت تامہ رکھتا ہے اور وہی اسے ظاہر کرتا ہے۔

روُح القدس بشر وبنی نوع انسان کو الوہیت

سے متعارف کراتا اور ظاہر کرتا ہے۔

تین شخصیات کے ظہور کے ذریعہ خدا اپنی مخلوقات کی طرف آتا ہے اور اس اقدام کے بغیر وہ ہم سے دُور رہ جاتا ...... اور ہماری عقلوں و سمجھ پہ پردہ پڑ جاتا اور ہمارے تجربات منقطع ہو جاتے!

۳۔ ثالوث وہ ذریعہ ہے جس سے کام لے کر اللہ نجات کے کل تقاضوں کو پورا کرتا ہے کیوں کہ اقنوم ثانی گوشت و پوست اور جسم اختیار کرتا۔ ہمارے گناہوں کا کفارہ دیتا ہے۔ ہمارے لیے شفاعت و سفارش کرتا ہے، ہمارے اور اللہ کے مابین درمیانی بنتا ہے اور نجات، صلح، مصالحت اور راستبازی اور تبریر کا وسیلہ بہم پہونچاتا ہے۔

رسول مسیح نے کہا:

"خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا اور ان کی تقصیروں کو ان کے ذمہ نہ لگایا!

اقنوم ثالث کے عمل کے بارے میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ:

وہ ہمارے دلوں کو نیا بنا دیتا ہے۔ ہماری عقلوں کو روشن کرتا ہے اور اللہ کے حضور حاضر

ہونے کے لائق بنانے کے لیے ہماری تقدیس کرتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اقانیم یا اللہ کی شخصیات ثلاثہ کے بغیر خدا کو منجّی اور فدیہ دینے والا، تقدیس کرنے والا اور منصف و قاضی کہنا صحیح نہ ہوگا کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے شریعت کی جو لعنت انسان پر پڑتی ہے اس سے چھٹکارا دلانے کے لیے وہ گنہ گاروں کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

۴۔ ثالوث، اللہ کو انسانی زندگی میں ایک مثال و نمونہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے خاندانی ہم آہنگی اور معاشرتی و سماجی محبت و پیار میں ہم صحیح اور سچے خدائے پدر یعنی اقنوم اوّل کی صفت ملاحظہ کرتے اور اقنوم ثانی۔ یعنی بیٹے میں حقیقی ابنیت کو دیکھ سکتے ہیں۔

یہ چیزیں انسان میں تصوّر پدریت، اور فرزندیت کو مثلِ اعلیٰ کے طور پر پیش کرتی ہے۔

اگر بالغرض الوہیت خدا میں سے خدا کے تمام احساس محبت کو اس سے منزّہ کردیں تو خدا ہمارے تعلقات کے اعتبار سے صرف ایک سخت و جابر خُدا بن کر رہ جائے گا۔ جس کی سختی و جبر ہمیں اس سے روز بروز دُور کرتا جائے گا۔ حتیٰ کہ ہم جُدا ہو کر رہ جائیں گے۔

اپنا امتحان لیجیے

انجیل و قرآن میں شخصیتِ مسیح

اگر غور سے آپ نے یہ کتاب پڑھ لی ہے تو آپ نیچے دیئے ہوئے سوالوں کے جوابات بآسانی دے سکتے ہیں:۔

۱۔ وہ کون کون سی باتیں ہیں جن میں مسیح کی شخصیّت کے بارے میں اسلام و مسیحیّت ہمخیال نظر آتے ہیں۔

۲۔ وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو مسیحیّت کی تثلیث کی تعلیم کو ردّ کرنے پر آمادہ کیا ہے؟

۳۔ آپ کی رائے میں مُسلم حضرات کیا اپنے اس قول کی تائید میں کافی دلیل رکھتے ہیں کہ انجیل محرّف ہے کیونکہ وہ حضرت محمدؐ کو نبی کی حیثیت سے پیش نہیں کرتی؟

۴۔ قرآن میں مسیح کی کون کون سی ممتاز خصوصیتیں ہیں؟

۵۔ وہ کون سا معجزہ ہے جسے اسلام نے مسیح سے منسوب تو کیا ہے لیکن انجیل اس سے خاموش ہے؟

۶۔ قرآن کے متن میں کیا کوئی شخص مسیح کی الوہیت کی جھلک دیکھ سکتا ہے؟

۷۔ آپ کی رائے میں وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے اسلام کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ وہ خُدا کی پدری کا انکار کرتا ہے؟

The Good Way · P.O. Box 66 · CH-8486 Rikon (Switzerland)

۸ - مسیح کی الوہیت کے بارے میں اسلام نے کیا نتائج اخذ کیے ہیں ؟

۹ - مسیح کی تعلیم کے انکار میں امام رازی نے جو کہا ہے اس کا آپ کس طرح جواب دے سکتے ہیں ؟

۱۰ - اسلام کے اس بیان کی کہ مسیح صرف ایک بندہ تھے، آپ کسطرح تردید کرینگے ؟

۱۱ - کتاب (بائبل) سے مسیح کی الوہیت کی دلیل مختصراً پیش کیجئے ؟

۱۲ - کیا مسیح نے اپنا رشتہ الوہیت انجیل میں بیان کیا ہے ؟ حوالے دیجئے ۔

۱۳ - پرانے عہدنامہ کے نبیوں اور نئے عہدنامہ کے رسولوں نے مسیح کی الوہیت پر کیا دلیلیں دی ہیں ؟

۱۴ - کیا مسیح نے اسی طرح اپنی تعظیم کا حکم دیا ہے جسطرح باپ کی تعظیم کا ؟

۱۵ - لاادریوں اور آریوس کے ماننے والوں نے شخصیت مسیح کا جو انکار پیش کیا ہے اس کی آپ کس طرح تخصیص کرینگے ؟

۱۶ - کیا کوئی ایسا زبور بھی ہے جس میں مسیح کی الوہیت نظر آتی ہے ؟

۱۷ - آپ اس سچائی کو شخصی طور کس طرح بیان کرینگے کہ خدا تالوث میں ہے ؟

۱۸ - آپ ان لوگوں کو کیا جواب دینگے جو مقدس ثالوث کا مطلب تین خدا لیتے ہیں ؟

۱۹ - کیا مقدس ثالوث کی بنیاد و اساس مقدس نوشتوں یعنی قرآن و بائبل میں ہے ؟

۲۰ - کتاب مقدس کی کوئی ایسی عبارت پیش کیجئے جو ثالوث کی بے نظیری دکھاتی ہو ؟

اگر آپ ان بیس سوالوں میں سے پندرہ سوالوں کے صحیح جوابات دے سکے تو ہم آپکے پاس اپنی متعدد کتب میں سے ایک کتاب بطور تحفہ روانہ کردینگے۔ خیال رہے کہ جوابات ایک الگ کاغذ پر لکھیے اور جوابات کے علاوہ اور کچھ نہ لکھیں نیز اپنا پتا صاف صاف ضرور تحریر کیجئے۔

The Good Way · P.O.Box 66 · CH-8486 Rikon (Switzerland)